U 75411 P Date - 14-12-07

Title - TANZIYAAT-O-MUZHAKAAT

Creator - Rasheed Ahmad Siddique.

Publisher - Hindustani Academy (Allahabad).

Date - N.A.

Pages - ~~139~~ 2~~3~~9 +6.

Subjects - Urdu Adab - Tanazz-o-muzah.

# طنزیات و مضحکات

رشید احمد صدیقی

ہندستانی اکیڈیمی، صوبۂ متحدہ، الہ آباد

قیمت مجلد ساڑھے تین روپئے

قیمت غیر مجلد تین روپئے
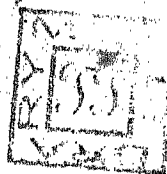
رشید احمد صدیقی

ہندستانی اکیڈمی، صوبۂ متحدہ، الہ آباد
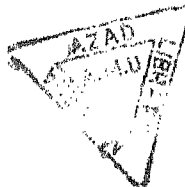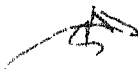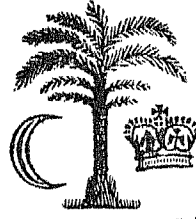
## اپنے "کالج" کے نام

( جسکے فیضان نے کسی دوسرے کے فیضان کا محتاج نہ رکھا )

# عرض حال

اس مقالہ کی ترتیب و تدوین کی شان نزول عبرت ناک حد تک، دلچسپ ہے یعنی یہ فہمائش پر لکھي گئی ' فرمائش پر طبع کرائي گئی اور .......... بخشائش کی توقع ہے !

اسے لوگ مختلف نظروں سے دیکھیں گے ' دوست خوش ہونگے دشمن ناخوش اور ایماندار خاموش .......... ہمارے مخاطب صحیح ان میں سے ایک، بھي نہیں - مخاطب صحیح مرشد ہیں جنھوں نے ایکبار شدید گرسنگي اور نیم غنودگي کی حالت میں فرمایا '' میاں ' دیکھو '' کوہ کندن و کاہ بر آوردن '' اور '' گور کندن و استخواں بر آوردن '' دونوں مہمل ' زندگي کي تعبیر فضا سے کی جاتی ہے نہ کہ واقعات و حادثات سے '' اتنا ہی کہکر خراٹے لینے لگے اور رشد و ہدایت کا دروازہ ' ہم پر بند ہو کر ان لوگوں پر کھل گیا جن کی زبان ہماري زبان سے بالکل مختلف تھي اور شاید سماعت ہماری سماعت سے زیادہ بطی الحِس !

حتي الوسع مرشد کي ہدایت پر عمل کرنے کي کوشش کی گئی ہے - نئي دنیا کی فضا پیش کي گئي ہے نہ یہ کہ کولمبس کیا تھے کون تھے اور کیا ہوئے - اس مقالہ کي ترتیب و تدوین میں یہي اُصول مد نظر رکھا گیا ہے - جہاں تک ایشیائي زبانوں

کا تعلق ہے ( گو ایشیائی زبانوں میں میری معلومات اردو ' فارسی اور ایک مشتبہ حد تک عربی ہی تک محدود ہیں ) تاہم اس کا کیا علاج ' جب تک اپنی معلومات یا تجربات کو ساری کائنات پر محیط نہ سمجھئے ( واقعہ کی صحت یا عدم صحت ' کا سوال نہیں ) اس وقت تک نہ اپنا نفس خوش ہوتا ہے نہ دوسروں پر رعب پڑتا ہے ' طنزیات کا فن اور ادب بالکل ابتدائی مراحل میں ہے ابتدائی مراحل کو یہاں " ناقص " کا مرادف ہے تاہم بعض وقت ناقص کو ناقص کہنا انشاپردازی اور بھلمنساہٹ دونوں کے منافی ہوتا ہے اور ان میں سے کم سے کم ایک جزو ضرور ایسی چیز ہے جس کا میں حامل نہیں تو موئد ضرور ہوں -

لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ اگر طنزیات و مضحکات کے فن اور انشا و ادب کو ہندوستان میں کبھی ایسا فروغ نصیب ہوا جو دیگر مکمل اور ترقی یافتہ زبانوں کے مقابلہ میں قابل اعتبار و اعتنا ہو تو اُس کی حامل یقیناً اُردو ہوگی - اُردو کی طرف سے لوگ مایوس ہیں لیکن لوگوں کی مایوسی اکثر فیشن ' مراق اور افلاس کے باعث بھی ہو سکتی ہے - فن اور ادب کبھی مایوس نہیں ہوتے - میں تفصیل میں پڑنا نہیں چاہتا - یہاں بحث صرف طنزیات و مضحکات سے ہے - اس وقت اِس کے اچھے لکھنے پڑھنے والے موجود ہیں اور ایسے اچھے کہ وہ جبراً یا اخلاقاً بھی مایوس ہونا نہیں چاہتے - جب اُردو مایوس نہیں تو اُردو لکھنے پڑھنے والے کیوں مایوس ہوں -

میں نے ابھی کہا تھا کہ طنزیات کا فن اور ادب اُردو میں ابھی ایک حد تک ناقص ہے - ناقص ہونے کے یہ معنی نہیں کہ جو ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے وہ برا ہے - ناقص سے میری مراد ' نا مکمل ' سے ہے - جیسی اب سے کچھہ قبل بڑی حد تک ہماری اُردو شعر و شاعری تھی اور اب بھی ہے لیکن صرف کسی حد تک - مجھے اُمید ہے کہ وہ دن دور نہیں اور اتنا دور تو یقیناً نہیں ہے جتنا کہ آزادی ہند ' جب اُردو میں طنزیات ' مضحکات اور مطائبات کا پایہ کم سے کم اُس سے تو بلند تر ہوگا جتنا لیگ آف نیشنس ( انجمن اقوام ) میں آج ہندوستان کا ہے !

غرض کہ جس طرح طنزیات کا فن اُردو میں ابھی '' ناقص '' یا '' نامکمل '' ہے تھیک اسی طرح یہ مقالہ بھی ناقص یا نا مکمل ہے - ورنہ شاید فن سے کامل ہم آہنگی نہ ہو سکتی ! اس میں بعض حضرات کا ذکر جہاں ضرورت سے زیادہ بڑھ گیا ہے وہاں بعضوں کا ذکر ہی سرے سے نہیں آیا - کمی بیشی کو متوازن رکھنے یا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے - سنتے ہیں موھنجودارو کے قریب ایک افیونی رہتے تھے - ایک دن معلوم نہیں جی میں کیا سمائی کہ روزہ رکھہ لیا ابھی پورے طور پر دن بھی نہیں چڑھا تھا کہ اُن کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تھوڑی دیر تک تو انتظار کرتے رہے -

بر کف جام شریعت بر کف سندان عشق

آخر میں شبنم حیات کا ایک گھونت لے ہی لیا ' اور انتہائی قطعیت کے ساتھہ بہ لحن نون غنہ فرمایا '

'' روزہ رکھنے کا ثواب، اور روزہ توڑنے کا عذاب برابر ' اور یاروں کا روزہ مفت ! '' اگر یہ فیصلہ صحیح ہے تو یہ واقعہ بھی غلط نہیں ' کہ ۔

بعض لوگوں کا تذکرہ ضرورت سے زیادہ طویل اور بعضوں کا سرے سے غائب ' دونوں برابر اور یاروں کی تصانیف مفت ! انشاپردازی کا '' یہ تاریخی '' نہیں '' مساحتی '' تصور ہے مولانا محمد علی مرحوم ' مولوی ولایت علی ( بمبوق ) مرحوم ' چودھری محمد علی رو دولوی کے مضامین باوجود تلاش کے دستیاب نہ ہو سکے اور جو ملے وہ ٹھیک ٹھیک طنزیات کے تحت میں آتے نہ تھے اس لیے نظر انداز کردئیے گئے ۔

مجھے اس مقالہ کے ترتیب میں اپنے بعض عزیز دوستوں اور بزرگوں سے نہایت گرانقدر مدد ملی ہے ۔ امداد کی نوعیتیں مختلف تھیں مثلاً کسی نے بات بتائی ' کسی نے تردید کی ' کسی نے مسودہ دیکھا ' کسی نے پروف پڑھا ' کسی نے غلط نامہ مرتب کیا ' کسی نے واہ واہ کی ' کسی نے کام جاری رکھنے اور ختم کرنے پر مسلسل اصرار کیا ' کسی نے قرض دیا اور نہیں مانگا اور کسی نے قرض لیا اور نہیں دیا ۔

اسماء گرامی حسب ذیل ہیں ( علی الترتیب نہیں ! )

۱ ۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں ' ام ۔ اے ' ( علیگ ) ' پی ۔ اچ ۔ ڈی ۔ دہلی ۔

۲ ۔ اصغر حسین صاحب اصغر ' مدیر ہندستانی ' ہندستانی اکیڈیمی الہ آباد ۔

۳ ـ خواجہ منظور حسین ، (ام - اے ، علیگ ) ، بی - اے
( آکسن ) علی گڑہ ـ

۴ ـ سید بشیرالدین احمد ، ام - اے ، (علیگ ) -
اسسٹنٹ لائبریرین علی گڑہ ـ

۵ ـ مولنا ابوبکر محمد شیث فاروقی صاحب ، ناظم
دینیات ، علی گڑہ ـ

۶ ـ ڈاکٹر اصغر علی حیدر ، بی - اس سی ،
پی ایچ - ڈی علی گڑہ ـ

۷ ـ حکیم شیخ محمد ممتاز حسین ، اڈیٹر اودہ پنچ ،
لکھنؤ ـ

۸ ـ ڈاکٹر عبادالرحمن خاں ، بی - اے ، پی ایچ - ڈی ،
علی گڑہ ـ

۹ ـ آل احمد سرور ، بی - اے ـ مدیر علی گڑہ میگزین
علی گڑہ ـ

زبان سے انکا شکریہ ادا کرچکا ہوں اب قلب اور قلم سے
دعائیں نکلتی ہیں ..

شرف قبول کا ملتجی و منتظر
رشید احمد صدیقی
مسلم یونیورسٹی علی گڑہ

---

# فہرست کتب محولہ

مقالہ زیر نظر کی ترتیب میں حسب ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ھے


1. لباب الالباب
2. تذکرہ دولت شاہ سمرقندی
3. منتخب لطائف عبید زاکانی
4. The Press and Poetry of Modern Persia by E. G. Browne.
5. History of Persian Literature by E. G. Browne
6. Biographies of Persian Poets by ,, ,,
7. Essays on the origin and Progress of Satire by Dryden.
8. English Satires by Smeaton.
9. Selections from the British Satirists by Cecil Headlam.
10. Satire by Cannan.
11. شعرالعجم از علامہ شبلی نعمانی
12. تذکرہ خندۂ گل مرتبہ مولٰنا عبدالباری آسی صاحب
13. متعدد رسائل اور متفرق مضامین اُردو

# اُردو طنزیات و مضحکات

'' ایک سؤر کو اِس سے بھي زیادہ مکروہ شکل میں پیش کرنا جیسا کہ خود خدا نے اس کو بنایا ھے طنز یا تضحیک (سٹائر) ھے - ''

(چسٹرٹن)

'' بعض تعریفیں (Definitions) صحیح ھوتي ھیں اور بعض محض دلچسپ ' لیکن سب سے زیادہ موثر وہ ھوتي ھیں جو برجستہ ھوں - ''

(مرشد)

التباہ :— '' از دشنام گدایاں وسیلئي زناں و زباں شاعراں و مسخرگاں مرنجید - ''

(عبید زاکاني)

ھماري آپ کی جان سے دور ' قرون اولی میں یونانیوں کے دو مقتدر دیوتا تھے ' اِلٰھۃ الفلاحت اور اِلٰھۃ الخمر اور حقیقت یہہ ھے کہ اس دور کي خصوصیات اور میلانات کو مدنظر رکھتے ھوئے اِن دو دیوتاؤں کے علاوہ ذھن انساني میں کسي اور کي گنجائش بھي نہ تھي - انسان واھمہ‌پرست اور خلقتاً کمزور واقع ھوا ھے ' اِس لئے کسي طاقتور (یا مافوق العادت) ھستي کا سہارا ڈھونڈھنا اُس کي فطرت ھے - ھر وہ وحشي یا نیم وحشي انسان جس کو اپني ضرورت کا احساس تھا اپنے فکر اور عمل کے اعتبار سے مذھبي یا توھم‌پرست تھا اور اب بھي ھے اور حقیقت یہہ ھے کہ انسان اپني انتہائي تہذیب اور ترقي کے باوجود آج بھي توھم‌پرست ھے ' وہ صرف مخلوق خداوند کا معتقد ھے -

انسان کے عہد اولین میں یقیناً ایسے مواقع بھی آتے ہوں گے جب اُس کو ہر قسم کی عافیت اور کامرانی نصیب ہوتی ہوگی ؛ مثلاً غلہ پکنے کا وقت ؛ خرمن جمع کرنے کا موقع ؛ موسم کا اعتدال ؛ فضا کی دلکشی ؛ صحت یا خوشگواری وغیرہ ؛ اُن مواقع پر اُس کی مسرت اور نشاط میں ایک طرح کا ہیجان ہوتا ہوگا اور وہ معمولی سے زیادہ اُس کا اظہار کرتا ہوگا - ظاہر ہے یہی مواقع رفتہ رفتہ عید الجماعت میں منتقل ہوتے ہوں گے -

ہر عید یا تیوہار اپنے وجود کے اعتبار سے دو پہلو رکھتا ہے ؛ ایک مذہبی ؛ دوسرا تفریحی - کسی تیوہار کی مثال لے لیجئے اُس کی تاریخ اس حقیقت کی ترجمان ہوگی ؛ دن کا کچھ حصہ عبادت یا نذر نیاز میں اور بقیہ سیر و تفریح ؛ ملنا جلنا ؛ دید و بازدید میں صرف ہوتا ہے - اِن حالات کے ماتحت آپ اہالیان یونان کی ابتدائی زندگی کا جائزہ لیں ؛ اُن کے دو مخصوص اور محبوب دیوتاؤں الٰہۃ الفلاحت اور الٰہۃ الخمر تھے ؛ جن کے نام پر نذریں اور قربانیاں تہدیہ کی جاتی تھیں - اِس نذر نیاز کا بیشتر حصہ غلہ اور شراب ہوتا تھا - یہہ مراسم ختم ہو لیتے تو رنگ‌رلیوں کا دور آتا جس میں عورت ؛ مرد ؛ بچے ؛ بوڑھے ؛ جوان ؛ سب ہی شریک ہوتے - ہنسی ؛ دلگی ؛ مذاق ؛ تمسخر ؛ پھکڑبازی ؛ طعن و طنز ؛ سب و شتم ؛ برهنگی و بے راہ روی ؛ سب ہی کچھہ ہوتا ؛ جن کو آج آپ آرٹ اور آزادی سے بھی موسوم کر سکتے ہیں اور بربریت اور بے حیائی سے بھی ؛ فرق صرف زمان و مکان کا ہے ؛ افعال و افکار کا نہیں -

طنزیات کی ابتدا اِنھیں بدمستیوں اور برھنگیوں سے ھوئی ھے - یہاں اس امر کا بھی جائزہ لے لینا چاھئے کہ یہہ ھنسی دلگی یا سب و شتم کس نوعیت کا ھوتا ھوگا؟ غالباً اس حقیقت سے کسی کو انکار نہ ھوگا کہ جب انسان کے جذبات میں تموج ھوتا ھے اور اس پر ایک ھیجانی کیفیت طاری ھوتی ھے اُس وقت اُس کا لب و لہجہ ھی نہیں بدل جاتا بلکہ ایسی حالت میں اُس کے لب و زبان سے جو کلمے ادا ھوتے ھیں وہ اپنی ترکیب اور بندش کے اعتبار سے بھی مختلف ھوتے ھیں؟ لب و لہجہ اور ترکیب و بندش کی یہہ عجیب نوعیت؟ فن شعر و شاعری میں ایک نمایاں حیثیت رکھتی ھے جس کا اصطلاحی نام ھم نے اوزان اور قافیہ اور ردیف رکھ دیا ھے؟ آواز اور الفاظ کی اُنھیں مختلف نوعیتوں کو ھم موسیقی سے بھی تعبیر کرتے ھیں - یہ، اصطلاحی اوزان در حقیقت ھمارے متلاطم جذبات کے اوزان ھیں جن سے ھم گریز کر سکتے ھیں؟ لیکن انکار ناممکن ھے؟ چنانچہ عہد قدیم کے یونانی اُنھیں رنگ‌رلیوں میں جو طعن و طنز؟ سب و شتم؟ ھنسی دلگی؟ پھکڑ یا فحاشی پر مشتمل ھوتی تھیں ایک قسم کے بے ربط وزن کا بھی التزام ھونے لگا جس نے مرور ایام سے نظم کا جامہ اختیار کر لیا - یہی سبب ھے کہ یونان اور روم کے جتنے مشہور ھجوگو ھوئے وہ سب کے سب شاعر تھے - عربوں کے یہاں بھی ھجو کی تعریف و تشریح میں جو کچھہ کہا گیا ھے وھاں نظم کی شرط ایک حد تک لازمی قرار دے دی گئی ھے - عربوں میں ھجا سے مراد وہ اشعار ھیں جن میں کسی قوم؟ کسی فرد؟ کسی جماعت یا کسی کی منقصت کی گئی ھو -

موجودہ ناقدین میں یہہ امر متنازعہ فیہہ ہے کہ اہالیان روم
نے یونانیوں سے طنزیات اخذ کیا یا یہہ خود اُنہیں کے افکار دماغ کا نتیجہ
ہے - جولیس اسکیلیگر (Julius Scaliger) رومن اور لاطینی
اور ہنسی‌اس (Heinsius) اول الذکر خیال کے طنزیات
علمبردار ہیں ؛ ریگل شی اس (Regaltius) اور کیسبن (Casaubon)
موخر الذکر نظریے کے معتقد ؛ لیکن قبل اِس کے کہ اُن عقائد
سے بحث کی جائے اِس امر کا اظہار ضروری ہے کہ لعن و طعن
یا سب و شتم ہر قوم میں خود بخود نشو و نما پاتے ہیں - اِس لئے
یہہ بحث کہ اس فن کو اہالیان روم نے یونان سے حاصل کیا یا
اسباب خاص میں یونانی اہالیان روم سے مستفید ہوئے ایک حد
تک بے سود اور غیر متعلق ہے - اسکیلیگر کو اصرار ہے کے یہہ
چیز یونان سے روم کو منتقل ہوئی اور ثبوت میں یہہ حقیقت
پیش کرتا ہے کے لفظ سطائر (Satire) طنز یا ہجو کے مفہوم میں
سطیرس (ایک قسم کا مختلف الاعضا جانور) یا بقول دیگر
الٰہۃ الفلاحت سے (جس کی ہیئت بکرے اور آدمی کی شکل
سے مرکب تھی) ماخوذ ہے - دوسری طرف کیسبن اور اُس کے مقلّدین
اِس مفہوم سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں - کیسبن کا دعوی
ہے کہ سطیرس سے سطیرا نظم کے مفہوم میں اخذ نہیں کیا جاسکتا ؛
کیونکہ سطیرا اسم نہیں بلکہ صفت ہے ؛ نظر براں اُس کو سطائر
نہیں بلکہ سطائری کہہ سکتے ہیں ؛ دوسری طرف یہہ حقیقت بھی
فراموش نہ کرنی چاہئے کہ الٰہۃ الخمر اور الٰہۃ الفلاحت کے لئے
سال کی اولین مختلف زرعی پیداوار ایک چنگیر میں بطور نذر
اور تہدیہ پیش کی جاتی تھیں - اِس چنگیر کو (Satura laux)
کہتے تھے - نظر براں ”سطائر“ کا مفہوم ایک ایسی نظم سے بھی

وابستہ کیا جا سکتا ہے جس میں مختلف اقسام کی پست اور رکیک طعن و طنز مختلف بحروں میں ادا کی جاتی ہوں -

یونانیوں کے یہاں ایک اور چیز بھی تھی جسے وہ سِلّی (Silli) کہتے تھے ؟ یہہ ایک طرح کی دشنامی نظم ہوتی تھی اور رومن سطائر سے مشابہ تھی - طیمون (Timon) نے جو سِلّی لکھی تھی اُس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اُس زمانہ میں پروڈیز (ایک قسم کی مضحک تضمین) بھی مقبول تھی جس میں کسی معقول اور سنجیدہ نظم کے الفاظ اور جملوں کو اُلٹ پھیرکر مضحک بنا دیتے تھے - لیکن اُس کے ساتھہ اِس امر کو بھی ملحوظ رکھنا چاهئے کہ یہہ صنف کلام اهالیان روم میں بھی عام تھا - آسونیس (Ausonius) نے جو قطعات لکھے تھے اُس میں ورجل (Virgil) کے الفاظ اور جملوں کو اُلٹ پھیر کر پوری نظم کو مضحک بنا دیا تھا - لسان العصر اکبر مرحوم کی بعض نظمیں بھی اِس قسم کی هیں جن میں حافظ کے بعض اشعار یا غزلوں کو اِس طور پر اُلٹ پلٹ دیا ہے اور ایسے مصرعے چسپاں کر دئے هیں کہ پوری نظم دلچسپ اور مضحک بن گئی ہے - قونطلین (Quintilian)) اور هوریس (Horace) کا یہہ بھی دعویٰ ہے کہ طنزیات کی تکوین اور نشو و نما لاطینی فضا میں هوئی ہے اور وهیں سے یہہ یونان کو منتقل هوئی هیں -

طنزیات کے سلسلہ میں اب تک جو کچھہ بیان کیا گیا ہے اِس سے ایک طور پر یہہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ فی الحقیقت ڈراما اور تھئیٹر کے اولیں اشارات اُنھیں رنگ‌رلیوں ؟ قربانیوں اور فحاشیوں سے وابستہ هیں جو تمدن اور معاشرت کے عهد اولین

میں برسرکار تھیں اور یہہ کچھہ تھیٹر اور ڈراما ھی پر منحصر نہیں ھے بلکہ خود موجودہ عہد کے جتنے مہذب یا غیر مہذب رسمیں ، مذھبي یا روائتي عید یا تیوھار ھیں اُن سب کا تاریخی اور نفسیاتي پہلو ، عہد اولیں کے اُنھیں معتقدات نظری یا عملي سے وابستہ ھیں -

مرور ایام سے معاشرت اور مذاق میں بھي انقلاب پیدا ھوا ، اور وھی چیز جو کسي وقت غیر مرتب اور غیر منظم صورت میں موجود تھي نسبتاً مرتب اور منظم نظر آنے لگی - فیسنائین (Fescennine) جو کسي وقت وزن اور قافیہ سے بالکل معرا تھی ، اب اِن صفات کی حامل ھوکر زیادہ وسیع اور مقبول بن گئي - یہاں تک کہ جولیس سیزر نے جب گالس پر فتح پائي اُس وقت یہہ عسکریوں کي زبان پر تھي ، لیکن ابھی اُس کو وہ رتبہ نہیں نصیب ھوا تھا کہ مہذب حلقوں میں باریاب ھو سکتي - لیکن کچھہ بعد زمانہ کے تصرّف سے اُن پر کسي قدر تمیز و تہذیب کا عمل ھوا اور رفتہ رفتہ فحش اور سوقیانہ عنصر بالکل حذف کر دیا گیا - یہہ گویا طنزیات کے علم و فن کا بحیثیت علم و فن کے اولین سنگ منزل تھا ، روم کے اسٹیج پر طنزیات کو ایک مستقل وجود کي شکل میں پیش کرنے کا سہرا لوي اس انڈرونیقاص (Livous Andronicus) کے سر ھے - یہہ ایک یوناني نژاد غلام تھا جس کو اُس کے آقا نے روم کے آزاد شہری بن جانے کا شرف عطا کیا تھا - انڈرونیقاص اپنے وطن کے طور طریقے مطالعہ کرچکا تھا ، اِس لئے روم کے اسٹیج پر بھي اُس نے اُنھیں خد و خال کو نمایاں کرنا شروع کر دیا جو یونان کے امتیازی خصوصیات تھے - بعضوں کا تو یہاں تک خیال ھے کہ روم میں اِس نے یوناني اسٹیج کے طور طریقے ھی نہیں نمایاں کئے بلکہ یہاں کے طرز انشا اور طریقۂ تصنیف پر بھي یونانی نقوش ثبت کر دئے - اِس نظریہ

کے تسلیم کرنے میں یوں تامل نہیں کر سکتے کہ اُس کی بزمیہ (کومیڈی) ارسطافینس کی تصانیف کی آئینہ ہے - اِس طور پر گویا روم کی تاریخ طنزیات میں تین مراحل نہایت نمایاں نظر آئیں گے -

(۱) وہ طعن و طنز جو ابتدا میں محض برجستہ فحاشی، پھکڑ اور رنگ‌رلیوں پر مشتمل تھی؛

(۲) وہ درمیانی زمانہ جب طنزیات میں سے فحش اور سوقیانہ عنصر حذف کر دیا گیا اور ہر قسم کی بے محابا رنگ‌رلیوں میں کسی قدر سلاست اور سنجیدگی پیدا ہو گئی تھی - یہہ گویا ایک قسم کی بے ہنگام نقالی اور ہزالی کا دور تھا جس میں نہ تو ابتدائی عہد کی فحاشی اور رکاکت تھی اور نہ بعد کے تماشوں کی تہذیب اور تنظیم -

(۳) لوی اِس اندرونیقاص کا دور جس نے طنزیات کو ایک مستقل حیثیت دے کر استیج کے قابل بنا دیا اور جس کے متعلق یہہ بھی دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اُس نے یونانیوں کی قدیم بزمیہ کا احیاء کیا -

لوی اِس اندرونیقاص کو روم میں استیج قائم کئے ہوئے ابھی نہایت مختصر زمانہ گذرا تھا کہ اینی‌اس (Ennius) پیدا ہوا - اُس نے اپنے ہموطنوں کی ذہانت اور طباعی کا پورے طور پر احساس کیا اور اِس نتیجہ پر پہونچا کہ جہاں تک طنزیات کا تعلق استیج سے تھا اُس کی بعض نوعیتیں قابل گرفت تھیں - نظر براں سب سے پہلے اُس نے یہہ اصلاح پیش کی کہ رکاکت اور عامیانہ‌پن

کا عنصر کلیتاً حذف کرکے اُس کو لطیف اور سلیس تر بنا دیا جائے - اُس نے یہہ التزام بھی کیا کہ آیندہ سے اُس میں علمی آب و رنگ کا اضافہ بھی کر دینا چاھئے - بالفاظ دیگر اُس کو ایسا جامہ پہنانا چاھئے کہ اُس کا مشاہدہ ھی نہیں بلکہ مطالعہ بھی کیا جا سکے - اندرونیقاص کی تمام تصانیف اِن اساسی اصلاحات کی حامل ھیں -

ڈیسیر (Dacier) کا خیال ھے کہ اینی اس کے سامنے لویس اندرونیقاص کی تصانیف نہ تھیں جس کی تمامتر بنیاد یونانی بزمیہ پر تھی بلکہ یہہ رومن سطائر کا خوشہ چین ھے - لیکن ڈرائڈن کو اِس نظریہ سے اختلاف ھے - اُس کا بیان ھے کہ اینی اس کی تصانیف کا ماخذ یونانی بزمیہ اور اُس کی دلنشین نوک جھونک ھے جس کا مظہر اندرونیقاص کی تصانیف تھیں - دوسری طرف یہہ حقیقت بھی فراموش نہیں کی جا سکتی کہ اینی اس کو اطالوی تھا لیکن یونانی السلہ کا زبردست عالم تھا - یہاں تک کہ اُس کا عقیدہ تھا کہ ھومر کی روح نے اُس کے کالبد کو اپنا نشیمن بنا لیا تھا - نظر براں یہہ تسلیم کرنا حقیقت سے دور ھوگا کہ اُس نے اپنے ھموطنوں کے مزخرفات اور دھقانیت سے استفادہ کرنا کبھی گوارا نہ کیا ھوگا - بہر حال اُس نے یونانی بزمیہ سے استفادہ کیا یا اُن بےمحابا اور پُرھنگام نقالیوں یا فحاشیوں سے فائدہ اُٹھایا ھو جو روم میں عروج پر تھیں - یہہ امر مسلمہ ھے کہ اینی اس رومن طنزیات کا اولین مصنف ھے -

اینی اس کا بھانجا لوسی لیس (Lucilius) اُس کے بعد پیدا ھوا ؛ اِس لئے اپنے ماموں ھی کے نقش قدم کو اپنا خضر راہ بنایا - یہہ بھی ممکن ھے کہ اینی اس نے اُس کی تعلیم و تربیت

اپنے مخصوص لہجے پر کی ہو ۔ لوسي ليس کے دوران حیات ہی میں بقوویس (Pacuvius) نمودار ہوا ۔ اس نے اِسی یونانی بزمیہ کو لطیف تر پیرایہ سے اختیار کیا جس کا اولین رومن طنزیات میں اندرونیقاص کے عہد تک وجود نہ تھا ۔ ہوریس کا خیال ہے کہ لاطینیوں میں اولین طنزی شاعر لوسی لیس ہے ۔ لیکن ڈرائڈن کا بیان ہے کہ اُس نے اپنی اس کی طنزیات میں صرف ایک قسم کا بانکپن پیدا کر دیا تھا ۔ اور یہ خیال بعید از قیاس ہے کہ خود لوسي ليس نے کسي قسم کی طنزیات وضع کي ۔ مگر زمانہ کي رفتار کے ساتھہ ساتھہ جوں جوں رومن زبان زیادہ سنجیدہ اور سلیس ہوتي گئي اُس میں یونانی زبان کي شیرینی اور لطافت قبول کرنے کي صلاحیت بڑھتي گئي ؛ بایںہمہ ہوریس اور قونطلین دونوں لاطینی طنزیئین میں لوسي ليس کو فضل تقدم دیتے ہیں ۔

یہاں طنزیات کی ایک دوسري صنف کو بھي بیان کر دینا مصلحت سے خالي نہ ہوگا ؛ طنزیات کی یہہ قسم بھی قدما کي میراث ہے اور اُنھیں سے منتقل ہوتي آئي ہے ۔ عام طور پر اُس کو وارونی طنزیات کے نام سے موسوم کرتے ہیں لیکن وارو (Varro) جس سے اس قسم کي طنزیات وابستہ کی جاتي ہے اُس کو مینپی (Menippian) بتاتا ہے ۔ روم کي دنیاے ادب میں وارو علامۂ اجل تصور کیا گیا ہے ۔ یہہ مینیپس (Menippus) کا متبع تھا جو فلسفہ کلبي کا معتقد تھا ۔ اپني اس کي طنزیات کی مانند وارونی طنزیات میں نہ صرف مختلف اقسام کي نظمیں شامل تھیں بلکہ اُس میں نثر کي بھي آمیزش تھي ۔ وارونی طنزیات اب تقریباً لاپتہ ہیں

سوا ان چند مختلف اجزا کے جو اپنے مفہوم اور معنی کے اعتبار سے بالکل مسخ ہو چکی ہیں ۔ خود وارو کا بیان ہے کہ اُس نے اپنی تصانیف میں نہ صرف مطائبات اور مضحکات کو دخل دیا ہے بلکہ اُس میں فلسفہ کے پیچیدہ اور دقیق مسائل بھی داخل کردئے ہیں وارو کے متبعین میں سے ایک بطرونیس اربطار (Petronius Arbiter) ہے جس کی تصانیف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ہالینڈ میں شائع ہوئی ہیں دوسرا سینیکا (Seneca) ہے جس کی متعدد تصانیف مثلاً کلاڈیس (Claudius) اور سیمپوزیم (Symposium) وغیرہ ہیں ۔ دور جدید میں اریسمیس (Erasmius) اور بارکلے وغیرہ گزرے ہیں ۔ انگریزی ادب میں وارونی اتباع کا پہلو کہ اس میں نثر کا حصہ بھی شامل ہوتا تھا صرف اسپنسر (Spenser) اور ڈرائڈن (Dryden) کے بعض تصانیف میں نظر آتا ہے ۔

رومن طنزیات کے بعض اہم پہلوؤں سے آشنا ہونے کے بعد یہ ضروری ہے کہ چند مشہور اور مستند لاطینی طنزیئین مثلاً ہوریس، جورنل اور پرسی اس کے طرز کلام پر ایک مختصر تنقیدی نظر ڈال لی جائے تاکہ آیندہ ان لاطینی طنزیئین کے تذکرہ کا جب موقعہ آئے اور ان کا حوالہ دیا جائے تو مفہوم آسانی کے ساتھ ذہن نشین ہوسکے ۔

ہوریس، جورنل اور
پرسی اس

اسیمٹن (Smeaton) کا قول ہے کہ ہوریس جورنل اور پرسی اس ہر ایک نے کم و بیش لوسی لیس (Lucilius) کے طنزیات سے استفادہ کیا ہے ۔ ہوریس نے اس فن کو اوج کمال پر پہونچا دیا ۔ اُس نے لوسی لیس کی طنزیات کو ان مخصوص حالات اور

واقعات رسم و رواج اور طور و طریقه کا هم آهنگ بنادیا جو عهد آگسٹس (Augustus) کے امتیازات خصوصي تھے - هوریس نے اپنے سنجیده اور شگفته مذاق طعن و طنز میں ایک قسم کا مذهبي تقدس پیدا کر دیا تھا - آگسٹس کے عهد حکومت میں غیر ملکي عنصر جسقدر غیر ملکي عنصر پر غالب هوگیا تھا اور روم کي مهتمّبالشان سیرت خصوصی پر جیسا کچھه اُس کا مذموم اثر پڑ رها تھا، هوریس نے اُن پر نهایت دلگداز حملے کئے هیں - کبھي یه محسوس هوتا هے که وه اس طغیان اور عصیان کا ایک ناقد اور مبصر کي حیثیت سے مطالعه کررها هے؟ کبھي یه معلوم هوتا هے که وه خود اس عصیان زار میں گردش کھا رها هے - اس کے بعد یکایک اُس کا لهجه بدل جاتا هے اور وه سوسائٹي کي سفاهت اور شقاوت اور اُس کي بے بصري کا ماتم کرنے لگتا هے جو مسائل حیات کي حیات بخش پاکیزگیوں کي طرف سے برتے جاتے تھے - هوریس کا یهه نمونه اکبر مرحوم کے کلام میں ملتا هے - هوریس کے مانند اکبر مرحوم بھي اسطور پر کهتے تھے گویا صرف مذاق و مزاح کو دخل دے رهے هیں - وه سب کچھه هنس هنس کر اور هنسا هنسا کر کهتے سنتے تھے -

پرسياس (Persius) فلسفه زینوني کا معتقد تھا - اس کي تمام‌تر تصانیف اسي عقیده کي ترجمان هیں - وه صداقت کا علمبردار تھا وه بھي اسطور پر که اُس کے هر لفظ سے خلوص اور سنجیدگي کا اظهار هوتا تھا - رومن طنزیات کي تزیئین اور تهذیب کا سهرا پرسي اس هي کے سر هے - اور یه پهلا شخص هے جس نے اس راز کا انکشاف کیا که طنزیات کي کامیابی اور کمال کے لئے لازم هے که صرف ایک هي موضوع اور مضمون هو - ایک فرد خاص هو جس میں

اگر دوسرے عیوب ظاہر بھي ہوں تو محض سر سري طور پر سرزنش کر دیجائے - پرسي اس کے وضع کئے ہوئے یہ وہ اصول تھے جنکی پیروی انگریزي ڈراما نے کي ہے یہاں بھي صرف ایک ہي ترتیب اور تنظیم ہوتي ہے اور ایک ضمني پلاٹ مزل اور نقالي کا بھي ہوتا ہے تاہم وہ اصل واقعہ یا موضوع سے رہلمنوں رہتا ہے - ہوریس کے یہاں یہ خصوصیت نہیں پائي جاتي ؛ لیکن اُس کے متبعین اِسي سلسلہ میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اُس کے یہاں وحدت اور یکتائي موضوع کی یوں ضرورت نہ تھي کہ " سطائر " کا لفظ ھي عبارت ہے ایک ایسے طباق یا چلگھر سے جس میں مختلف اقسام کا غلہ اور پھل ہو - پرسي اس نے رومن ڈراما میں جو جدت پیدا کي تھي اور جس کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے ؛ اُسی کو فرانس کے مشہور نقاد بوائلو (Boilean) نے بھي خضر راہ بنایا ہے - جوونل نے پرسي اس کي تقلید کي ہے یہ بھي محض ایک ہي نقص یا عیب کو مخصوص کر لیتا تھا اور اِسي کي سرزنش پر اپني پوري قوت صرف کرتا تھا - جوونل کي طنزیات اپني شعلہ‌نوائي اور خیطبانہ ہیجان و طغیان میں مثال نہیں رکھتیں - اِن خصوصیات کا وہ امام ہے - جوونل کا پیرایہ بیان انگلستان میں لینڈلینڈ اور ہندوستان میں مولانا ابوالکلام کی تحریروں میں ملتا ہے - بلکہ یوں کہنا بھي حقیقت سے دور نہ ہوگا کہ اپنے اپنے طرز کے اعتبار سے لینڈلینڈ اور مولانا ابولکلام ایک ہی وادی کے دو امام ہیں - لیکن لینڈلینڈ اور جوونل کے زاویۂ نگاہ میں یہ فرق ہے کہ گو اِن دونوں کے نقوش پر تیرگي محیط ہے ؛ لیکن لینڈلینڈ کے

ظلمت کدہ میں کبھی کبھی امید کی شعاعیں نظر آ جاتی ھیں دوسری طرف جوونل کی تاریک فضا امید کی طلعت ریزیوں سے بالکل بے نیاز ھے -

یہاں تک جو کچھہ بیان کیا گیا ھے وہ طنزیات کی شان نزول سے متعلق تھا - اب تک یہ کہیں نہیں بتایا گیا ھے کہ طنزیات کی تعریف اور اُس کا ادبی مفہوم کیا ھے -

طنزیات یا ھجو و ھجا کی تعریف

کسی چیز کی تعریف پہلے بیان کرنا اور پھر اُس کی تشریح اور توضیح کردینا میرے نزدیک ایک ایسا اصول ھے جو ناقص بھی ھے اور نامکمل بھی - کسی واقعہ یا مسئلہ کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے لازمی ھے کہ سب سے پہلے وہ فضا پیش کر دی جائے اور وہ روایات پیش کردی جائیں جن کی ماتحت وہ واقعہ ظہور پذیرا ھوا ھو -

ھجا کا عام مفہوم تو یہ ھے کہ کسی شخص ، شے یا واقعہ کی برائی بیان کی جائے خواہ وہ جائز ھو یا ناجائز ، صحیح ھو یا غلط ، اُس کی مختلف نوعیتیں ھیں اور اُس میں سب و شتم ، طعن و طنز ، ھنسی ، ٹھٹول ، نوک جھونک ، فحاشی ، پھکڑ اور مغلظات سب آ جاتے ھیں - لیکن جب سے اُس کو ایک فن کی حیثیت حاصل ھوئی ھے اُس کا مفہوم بھی محدود کر دیا گیا ھے - "سطائر" (Satire) کا جو مفہوم انگریزی میں ھے اُس کی پوری اور صحیح ترجمانی (ھماری یہاں کے کسی ایک لفظ میں) تقریباً ناممکن ھے - عربی اور فارسی میں اس موقعہ پر چند الفاظ استعمال کئے جاتے ھیں - مثلاً ھجو و ھجا ، ھجو ملیح ، تعریض ، تنقیض ، لعن و طعن ، طعن و طنز ، استہزا ، مذمت ، مضحکات

شطحیات جد و ہزل وغیرہ ۔ ان الفاظ کے دینے سے یہ مقصود نہیں ہے کہ اِن میں سے ہر ایک ''ستائر'' (سطائر) کا مترادف ہے ۔ اکثر اُن الفاظ میں سے کوئی ایک لفظ (مناسبت موقع کے لحاظ سے) یا الفاظ کی ترکیب اختیار کی جاتی ہے ۔

راقم اسطور نے اُن میں سے صرف ایک لفظ طنز یا طنزیات (و مضحکات) اختیار کیا ہے یہ صحیح ہے کہ طنزیات سے بھی وہ مفہوم پورے طور پر ظاہر نہیں ہوتا جو ''سطائر'' میں مضمر ہے ۔ لیکن اُس میں بھی شک نہیں کہ ''طنزیات'' کا مفہوم سطائر (Satire) کے مفہوم سے بڑی حد تک متجانس اور ہم آہنگ ہے ۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ اِس لفظ کے اختیار کرنے سے چند اور سہولتیں پیدا ہو جاتی ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔ اور کچھ نہیں تو اِس میں کافی اشتقاقی سہولتیں ہیں ۔ بہر حال یہ ناموں کا اُلٹ پھیر ہے بہت ممکن ہے اِس سے بہتر لفظ دریافت یا وضع کیا جا سکے ۔

''سطائر'' کی تعریف ہڈسی اس نے یوں کی ہے ۔

''یہ ایک قسم کی نظم ہوتی ہے جس میں کسی واقعہ یا عمل کا تسلسل نہیں پایا جاتا ۔ جو ہمارے ذہن اور دماغ کو آلائشات سے پاک کرنے کے لئے وضع کی گئی ہے ، جس میں غلطیوں، جہالتوں اور اُن دیگر عوارض کو جو اِن سے مرتب ہوتے ہیں، فرداً فرداً مورد لعن و طعن قرار دیا جاتا ہے کبھی اُس کو بطور ڈراما دکھایا جاتا ہے اور کبھی یونہی پیش کیا جاتا ہے ۔ بعض اوقات دونوں طریقوں پر ، لیکن اکثر اشارۃً و کنایۃً وہ بڑی پست اور بے تکلفانہ انداز سے ، طریق گفتار تیز اور تلخ ہوتا ہے ، اُس کے

علاوہ کچھ ظرافت اور تمسخر کی بھی رعایت رکھی جاتی ہے جس کا مقصد تنفریا تنغض یا ہنسی اور قہقہہ کا اکسانا ہوتا ہے۔"

در اصل یہ تعریف نہیں بلکہ تفصیل ہے اور تفصیل بھی نہیں بلکہ یہ ہوریس کی طنزیات کی تشریح ہے۔ یہ کچھ ضروری نہیں ہے کہ سطائر کا تعلق صرف ڈراما سے ہو یا صرف شعر میں ادا ہو یا طریق گفتار تیز اور تلخ ہو۔ دوسری طرف عربی میں ہجا سے وہ اشعار مراد ہیں جن میں کسی قوم، کسی فرد، کسی جماعت یا کسی زمانہ کی منقصت کی گئی ہو۔

لیکن یہاں اس امر کو خصوصیت کے ساتھ مدنظر رکھنا پڑے گا کہ جہاں تک ہجو و ہجا کا تعلق کسی قوم، فرد، جماعت اور زمانہ کی منقصت سے ہے، وہاں تک تو کسی کو انکار نہیں ہو سکتا اور یہ امر بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ہجو و ہجا میں منقصت کا پہلو ہمیشہ نمایاں ہوتا ہے اور ہونا چاہئے۔ لیکن رومن، لاطینی اور عربی فضلا نے جو شرط شعر کی لگادی ہے وہ ایک بڑی حد تک غیر ضروری ہے، ہجو و ہجا کا ایک اضافی پہلو تو شعر ہو سکتا ہے، لیکن ہجو و ہجا کے لئے شعر کو لازمی قرار دے دینا کلیتاً دور از کار ہے۔

راقم السطور کا خیال ہے کہ عربی شعرا کے مانند رومن اور لاطینی شعرا بھی شعر سے مراد خیالات کی ندرت اور برجستگی لیتے تھے اور جہاں تک رومن اور لاطینی طنزیئین کا تذکرہ ہوچکا ہے میرے مذکورہ نظرئے کی تائید ہوتی ہے۔ رومن اور لاطینی طنزیات کی شان نزول بھی وہی بے محابا یا بر محل برجستگی ہے جس کو رومن، لاطینی اور عربی شعرا شعر و شاعری کا جزولاینفک

سمجھتے رہے ہیں ۔ نظر براں عہد حاضر میں ہجو و ہجا سے شعر کی شرط اگر حذف کردی جائے تو کوئی قباحت لازم نہیں آتی اور یہی نہیں بلکہ اس شرط کو قائم رکھنے سے بہت سے مستند طنزئیں اس جماعت سے حذف ہوجاتے ہیں ؛ روم اور یونان میں طنزیات کی ابتدا ایک قسم کے ڈرامے سے ہوئی تھی ۔ اس لئے شعر کی قید ممکن ہے ضروری سمجھی گئی ہو؛ دوسری طرف عربی شعرا ہیں جن کا رخت حیات ہی شعر و شاعری پر مشتمل تھا ۔ لیکن اُردو طنزیئیں ایک بڑی حد تک اس قید سے آزاد ہیں اِن کا شمار جائز طور پر بہترین طنزی مصنفین میں ہوسکتا ہے ۔

بقول تھیکرے؛ طنزی ؛ حتی الوسع زندگی کے ہر شعبہ پر ناقدانہ نگاہ ڈالتا ہے اور مکر و فریب ؛ رعونت و منافقت ؛ حق و باطل کے خلاف اس طور پر جہاد کرتا ہے کہ بالاخر ہمارے جذبات مرحمت و محبت یا نفرت و حقارت کو تحریک ہوتی ہے اور ہم اِن جذبات کو برسرکار لانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں ۔ مظلوم اور ناتواں کے لئے شفقت محسوس کرتے ہیں اور ظالم و جابر کو قابل نفرین و ملامت تصوّر کرتے ہیں ۔

تھیکرے نے ہجو و ہجا کے باب میں جو اظہار خیال کیا ہے وہ ایک طور پر ہجو و ہجا کے عمل و اثر سے متعلق ہے اور در اصل ہجو و ہجا کے صحیفہ اخلاق سے تعلق رکھتا ہے ۔ یہاں ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ ہجو و ہجا کی مسلمہ تعریف ۔کیا ہے انگریزی ادبا اور فضلا کا ایک حد تک متفقہ خیال یہ ہے ۔

"ہجو و ہجا (طنزیات کے مفہوم میں) کا مقصد یہ ہے کہ کسی بے ہنگام یا مضحکہ خیز واقعہ یا حالت پر؛ ہمارے جذبۂ تفریح یا نفرت کو تحریک ہو بشرطیکہ اس ہجو و طنز میں ظرافت

یا خوش طبعي کا عنصر نمایاں ھو اور اسے ادبي حیثیت بھی حاصل ھو۔ اگر ان حیثیتوں کا فقدان ھوا تو پھر یہ محض گالی گلوچ یا دھقانیوں کی طرح منھہ چڑھانا ھوگا ؟؟

(انسائکلو پیڈیا برٹانکا)

اس تعریف کو ھجو و ھجا کي بیسویں صدي عیسوي کي تعریف کہہ سکتے ھیں ورنہ رومن اور لاطینی طنزیئین کي ایک بڑي تعداد جن کے یہاں سوا پھکڑ اور فحاشي کے کچھہ اور نہیں ھے طنزیئین کے صنف سے خارج ھوجاتے ھیں دوسري طرف ان طنزیئین کي تصانیف کو وہ ادبي حیثیت بھي حاصل نہیں ھے جو انگریزي فضلا کے پیش نظر ھے ۔

اصلاً ھجو و ھجا سے تنقیص و تعریض مراد ھوتي ھے۔ ایسي تنقیص یا تعریض جس سے جذبۂ تفریح یا نفرت کو تحریک ھوتي ھو ۔ راقم‌السطور کا ذاتي خیال ھے کہ اس قسم کي تنقیص یا تعریض کو ادبي حیثیت حاصل ھو یا نہ ھو ان کا اپنے مورد پر پورے طور چسپاں ھوجانا از بس لازمي ھے اگر یہ پورے طور پر ( بقول شخصے ) ‹‹ چپک نہیں جاتیں ›› تو پھر ان کو ھجو و ھجا یا طنزیات کے بجائے ‹‹ لغویات ›› کہنا زیادہ موزوں ھوگا ۔ ھجو و ھجا کے سلسلہ میں بہت سے الفاظ جملے یا لطیفے ایسے ھوسکتے ھیں جو ادب کي کسوٹي پر صحیح اُترنا تو درکنار اس کے قریب بھي نہیں لائے جاسکتے، لیکن اپنے مفہوم اور موقع و محل کے اعتبار سے اتنے موزوں اور برجستہ ھوسکتے ھیں کہ اُن پر ھجو و ھجا کا پوری طور پر اطلاق ھوسکتا ھے ۔ یہاں یہ کہنے کي ضرورت نہیں ھے کہ بہت سي چیزیں ادبیت سے مُعرا ھوسکتي ھیں بایں‌ھمہ

بھي نہيں کہ اکثر مذاق سليم پر قطعاً بار نہيں ہوتيں بلکہ مذاق سليم ان کا شکر گزار بھي ہوتا ھے -

نظر براں ھجو و ھجا سے ايسي تنقيص، تعريض يا تضحيک مراد ھے (اور اس ميں وہ تمام الفاظ، آواز، انداز، حرکات و سکنات اور اشارات شامل ھيں جو ——— فرض کرليجئے کانگريس سے منسوب کئے جاسکتے ھيں اور جن کے خلاف آرڈيننس نافذ ھوچکے ھيں) جو اپنے مورد پر ھر حيثيت سے يا کسي نہ کسي پہلو سے ليکن پورے طور پر چسپاں ھوتي ھو - اب رھا يہ امر کہ کس طور پر يہ مقصد حاصل ھوسکتا ھے ھمارا ذاتي خيال ھے کہ تنقيص يا تعريض کے ليے لازم ھے کہ وہ حقيقت پر مبني ھو - اس سلسلہ ميں بے موقع نہ ھوگا اگر يہاں وہ اصول پيش کردئے جائيں جو ھجو و ھجا کے صحيفۂ اخلاق ميں عربوں کے يہاں ملتے ھيں،

(۱) جو چيز في نفسہ قبيح يا مکروہ ھے اس کي ھجو کيجاسکتي ھے -

(۲) جسماني يا فطري نقائص يا معائب کي مذمت ناروا ھے -

(۳) آبا و اجداد کي فرد گذاشت پر اولاد کو مورد لعن طعن قرار دينا ناجائز ھے -

(۴) انہيں معائب کو قابل گرفت تصور کرنا چاھئے جو عقل کے نزديک قابل گرفت ھوں -

(۵) بہترين ھجو وہ ھے جو جلد ذھن ميں محفوظ ھوجائے جس کي ترکيب اور معني ميں پيچيدگي نہ ھو جس کو عام مذاق جلد قبول کرلے اور صرف قبول ھي نہ کرلے بلکہ اس کو صحيح بھي سمجھتا ھو، وغيرہ -

اب تک طنزیات اور طنزیئین کے سلسلہ میں جو کچھہ بیان کیا گیا ھے وہ عہد قایم سے متعلق تھا۔ اور ان زبانوں کا مختصر جائزہ لیا گیا ھے جن کا شمار کلاسکس (ادبیات عالیہ) میں ھوتا ھے اس کے بعد کوئی اور ایسا مرتب اور مربوط سلسلہ نہیں ملتا جس پر وثوق کے ساتھہ کوئی حکم لگایا جاسکے یا جس کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھہ سود مند ھو۔ اس میں شک نہیں، از منۂ وسطی، طنزیات کی ایک وسیع جولانگاہ پیش کرتا ھے - ارباب کلیسا کی فرسودہ معتقدات اُن کی خلوت اور جلوت کی داستانیاں، جنس نازک کی کافر ماجرائی اور عشوہ‌زائی، اصحاب دول کی فرعون سامانی، ایسے واقعات نہ تھے جو اس عہد اور فضا کے لیے کسی طور پر ناساز گار ھوتے تاھم طنزیات کا کوئی مخصوص اسکول، نہیں ملتا اور ھر پھر کر نگاھیں صرف ریناڈ اور ڈانٹے پر پڑتی ھیں -

انگریزی طنزیات

قرون وسطی میں ریناڈ اور ڈانٹے کا نمونہ انگلستان نے صرف لینگلینڈ اور چاسر کی ذات میں پیش کیا ھے یہ دونوں اپنے احساس اور تعلیمات کے اعتبار سے ھوریس اور جوونل کے علمبردار تھے - ایک کی حیثیت اس دین‌دار کی تھی جو دشمنان عقل اور ذوق کو ھنسی دلگی اور طعن و تشنیع سے مغلوب کرنا چاھتا تھا، دوسرا اپنا پیام رسالت اُن کے خلاف پیش کرنا چاھتا تھا اور اُس کے لئے کبھی کبھی انتہائی طیش ناکیوں کے ساتھہ برھم نظر آتا تھا - یہ دونوں مسالک انگریزی ادب میں اب تک کسی نہ کسی طور پر نمایاں ھیں - ایک کے متعقد -

چاسر، اڈیسن، سوئفٹ، تھیکرے اور ٹینیسن ھیں اور دوسرے کے علم‌بردار لینگلنڈ، نیشن، ڈرائڈن، پوپ جانسن اور براؤننگ ھیں -

لینگلینڈ قرون وسطی کا جوونل تصور کیا جاتا ہے ۔ کوہستان ملورن کی اس غمگین ، دنیا سے بیزار اور اپنے عہد کی معاشری معائب اور معاصی کی سوگوار ہستی کو جماعت کے مقررہ نظام اور اصول میں عافیت اور جمعیت کا کوئی شائبۂ نظر نہیں آتا تھا ، کیوں کہ اُن کے رگ و پے میں کید و فریب سرایت کرچکا تھا اور اِسی عقیدہ کی بنا پر اُس نے بقول اسکیٹس اپنے تمثیلہ میں فریب اور فلاکت زدہ کسانوں کی حالت زار ، قسیسوں کی زیاں کاری ، راہبوں کے حرص وآز کا نہایت بدیع نقشہ کھینچا ہے ، کاہل الوجود مزدور اور کاری گروں پر لعن و طعن کی ہے اور عدالتوں کی رشوت ستانی پر اظہار نفرین کیا ہے ۔ مختصر یہ کہ اُس نے اِن تمام عیوب و ذمائم کو ہدف ملامت بنایا ہے جو ہمیشہ اور ہر زمانہ میں طنزیات کا موزوں ترین موضوع قرار دئے جا سکتے ہیں ۔

لیکن لینگلینڈ کی طنزیات میں وہ شعلہ نوائی اور خطیبانہ ہیجان و طغیان نہیں پایا جاتا جو جوونل کا امتیاز خصوصی ہے ۔ اُس کے مقابلہ میں اُس کے ہم عصر جیفری چاسر کی شگفتہ نگاری اور طرب نوائی کا مقابلہ کیا جائے تو آسمان اور زمین کا فرق نظر آنے لگتا ہے ۔ ہوریس کے مانند چاسر کی طنزیات میں ایک قسم کی آسودگی اور مرحمت پائی جاتی ہے ۔ تلخی اور شوریدگی کا پتہ نہیں ۔ یہ معائب و معاصی کی سر زنش کرتا ہے ، لیکن بجائے سر کہ جبین ہونے کے ہمیشہ خندہ روئی کو دخل دیتا ہے ۔ اُس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اُس نے ایوان اور ارباب حکومت کو پیش نظر رکھ کر اپنے کلام کو ترتیب دیا اور غالباً اِسی خیال سے وہ اِن مراحل اور مواقع کو قصداً نظر انداز کر دیتا ہے

جہاں سے گذرنا دربار اور درباریوں کے نزدیک ناپسندیدہ اور بے محل ہو سکتا تھا۔ یہی حالت ہوریس کی ہے۔ جس نے ہمیشہ آگسٹس کی سامعہ نوازی کے لئے قلم کو جنبش دی۔

لینگلینڈ کی مہتم بالشان تمثیلیہ میں طنزیات کا عنصر نہایت سنجیدہ اور خطیر نظر آتا ہے جس کے مطالعہ سے یہ امر فوراً محسوس ہوتا ہے کہ اُس کو اپنی ذمہ داریوں کا شدید احساس تھا۔ دوسری طرف چاسر کے قصص کنٹر بری ہیں جسے اُس نے اپنی بذلہ سنجی اور ظرافت سے زعفران زار بنادیا ہے۔ ہوریس کے مانند وہ بھی انسانی کمزوریوں کو قابل عفو سمجھتا ہے اور محض اس بنا پر کہ خود انسان تھا!

پندرھویں صدی کی ابتدا لینگلینڈ اور چاسر کے خاتمہ سے ہوئی ہے۔ اِس زمانہ سے سولھویں صدی کے وسط تک جس زمانہ میں گیسکوئن نے "استیل گلاس" نکالا ہے ہم کو اسکاٹ لینڈ کے طنزی شعرا کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ ولیم ڈنبار اور سر ڈیوڈ لینڈسے اس عہد کے بہترین شعرا تھے۔ اول الذکر کا شمار برطانیہ کے بہترین طنزیئیں میں ہوتا ہے۔ لینڈسے کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر اُس نے لفاظی اور دیگر پیچیدگیون کو راہ نہ دیا ہوتا تو اُس کی طنزیات غالباً اولین صف میں بار پاسکتیں۔

اِس کے بعد ہمارا گذر ملکہ الزبتہ کے عہد میں ہوتا ہے۔ جو حیثیت بہترین لاطینی طنزیئیں ہوریس، جوونل، اور پرسی اس کو عہد گذشتہ میں حاصل تھی وہی رتبہ پیرس پلاڈمیلس اور لوج کو اِس زمانہ میں حاصل تھا۔ اِس دور میں ادبیات کو جو عروج ہوا اور جس کثرت کے ساتھ شعرا اور اہلِ کمال عالم

وجود میں آئے اس کا تفصیلی تذکرہ تقریباً ناممکن ہے اور بے محل بھی - سولھویں صدی کے آخر اور جیمس اول کی وفات تک تقریباً سو شعرا اور نثار گذرے ہیں - بشپ ہال اس عہد کا بہترین نمونہ ہے - هوریس اور جوونل کا اُس نے نہایت شوق اور محنت کے ساتھہ مطالعہ کیا تھا اور اُن کا بہترین متبع تسلیم کیا جاتا ہے - ہال کا ہم عصر طامس نیش تھا جس نے جوونل کی اس خوبی سے پیروی کی تھی کہ بسا اوقات وہ خود جوونل کی سطح پر پہونچ جاتا تھا - ہال کا دوسرا ہم عصر طامس ڈیکر تھا جس کی ایک تصنیف "گلس هارن بک" ہے - اُس نے للڈن کی معاشرتی زندگی پر نہایت جوش اور شدت کے ساتھہ حملہ کیا ہے - ہال کے بعد بعض حلقوں میں جان مارسٹن کو دوسرا درجہ دیا جاتا ہے -

اُس عہد کے جتنے طنزی شعرا گذرے ہیں اُن میں سے اکثر و بیشتر نے هوریس اور جوونل کے نقش قدم کو اپنا رہبر طریقت بنایا ہے - اُن کے یہاں اسلوب و انداز سے زیادہ نفس مضمون اور موضوع پر زور دیا جاتا تھا - جان بارکلے کی تصانیف بعض حلقوں میں اس عہد کی بہترین ترجمان ہیں - برلیمانی جنگ کے دوران میں طنزیات کی سطح کسی قدر پست نظر آنے لگی تھی اُس کی وجہ ممکن ہے یہ ہو کہ شعرا زیادہ تر مذہبی اور جماعتی مناقشات میں الجھے رہے اور جیسا کے عام قاعدہ ہے ایسی حالت میں دریدہ دھنی مذاق سلیم پر اکثر غالب آ جاتی ہے جس کی نمایاں مثال کلیو لینڈ ؟ ارلڈھم اور کسی حد تک سموئیل بٹلر ہے -

لیکن یہ سب کچھہ پیش خیمہ تھا انگریزی طنزیات کے اس عہد زرین کا جس میں انگلستان کا بہترین اور بزرگ ترین طنزی شاعر جان ڈرائڈن عالم وجود میں آیا - جہاں تک طنزیئین کی

تعداد و شمار کا تعلق ہے الزبتھ کا عہد ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے ، لیکن جہاں تک اس صنف کلام کی شگفتگی اور شگوفہ زائی کا تعلق ہے ہم کو سترھویں صدی کا آخری اور اٹھارویں کا تقریباً نصف ابتدائی حصہ مدنظر رکھنا پڑے گا جب ڈرائڈن کی دو مشہور تصانیف ایسلم اور اکٹوفیل شائع ہوئیں ۔ اس زمانہ میں طنزیات کے وہ مایہ ناز علم بردار گذرے ہیں جن کا نام انگریزی ادب میں شاید کبھی فراموش نہ ہو ۔ ڈرائڈن ، سوئفٹ ، ڈیفو ، اسٹیل ، اڈیسن ، اور پوپ کے تمام شاہکار اسیٰ عہد کے یادگار ہیں ۔ گولڈ اسمتھ ، شیریڈن ، مور ، اور بائرن بھی اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں ۔

متذکرہ صدر عہد بھی مختلف ادوار پر مشتمل ہے ڈرائڈن سوئفٹ کلیولینڈ اور پوپ اپنے اپنے اسلوب بیان کے اعتبار سے اتنا ہی مختلف ہیں جتنا خود ہوریس اور جوونل ۔ اس کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ اس وقت انگریزی ادب پر فرانسیسی ادبی رنگ غالب آچلا تھا جس میں سب سے زیادہ نمایاں اثر فرانسیسی نقاد اور طنزی شاعر بوائلو کا تھا ۔ انگریزی ادب میں ، ڈرائڈن کے بعد "محتسب ادبی" کی حیثیت اس کو حاصل تھی ۔ سوئفٹ ، پوپ اور ڈرائڈن ہر ایک نے بوائلو کے تصرف اور فیضان کو انتہائی عقیدت سے تسلیم کیا ہے ۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں، اس تمام عظمت اور برتری کے با وجود جو سوئفٹ، ایڈیسن پوپ اور بائرن کو حاصل ہے ان کی تمامتر خوبیاں ڈرائڈن کے فیضان کی منت کش تھیں ۔

یہاں اس امر کا تذکرہ کر دینا بھی غالبا بے محل نہ ہو گا کہ ڈرائڈن کے بعد جن طنزیئین کا نہایت زبردست اثر انگریزی ادب پر پڑا ہے وہ پوپ اور سوئفٹ تھے ۔ ان کے ادبی کارناموں کا تذکرہ طوالت سے خالی نہ ہوگا لیکن غالباً اتنا اشارہ منزل مقصود کی طرف رہبری کرنے میں

معین ہوگا کہ پوپ، درائڈن کا شاگرد تھا - شاگرد کی تصلیف نہ صرف أستاد کی تمام صفات کی بہمہ و جوہ حامل ہے بلکہ شاگرد نے ایک حدتک خود اپنی ذاتی جوہر اور خوبی کا بھی نہایت صنعت کارانہ طریق سے اضافہ کیا ہے - البتہ ایک اختلاف ایسا ہے جسکا تذکرہ غالباً بے موقع نہ ہوگا - پوپ نے اپنے کلام میں طعن و تشنیع، کینہ پروری اور زہر ناکی کو زیادہ دخل دیا ہے حالانکہ استاد کے یہاں فیاضی اور کشادہ قلبی کا عنصر غالب ہے - پوپ اور سوئفٹ دونوں نے اٹھارویں صدی کے وسط میں رحلت کی ہے - اُن کےبعد طنزیات کی ادبی لطافتیں زائل ہونے لگیں - یہ انحطاط کچھہ عرصہ تک قائم رہا یہاں تک کہ گولڈ اسمتھہ نے اس زندگی کی ایک تازہ روح پھونکدی -

انقلاب فرانس نے انگریزی طنزیات میں ایک جدید اسلوب کا اضافہ کیا جسکے تصرف سے طنزیات میں سیاسی عنصر کی ایکدفعہ پھر آمیزش نظر آنے لگی - انیسویں صدی کے جن طنزی شعرا کا تذکرہ ضروری ہے اُس میں سب سے پہلا ولیم جیفورڈ ہے اُس نے بھی لاطینی اساتذہ فن کی تقلید کی ہے لیکن بسا اوقات اُس کے لفظوں اور فقروں میں شدت اور برہنگی اس درجہ غالب آجاتی ہے یا ذاتیات کو وہ جس حدتک ہدف ملامت بناتا ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا بھی بے محل نہیں ہے کہ اکثر یہہ مذاق سلیم پر بار ہونے لگتا ہے - اس عہد کی سب سے نمایاں ہستی بائرن ہے اس کی بعض تصانیف اس فن کا بہترین نمونہ ہیں بائرن کے بعد پریڈ کا دور آتا ہے جس کی نظموں کی شستگی اور پاکیزگی مسلم ہے - اُس کی حیات ہی میں لیسب، سودی، تزرائلی اور تام ہڈ اسٹیج پر آئے - ان میں سے بیشتر ایسے تھے جنھوں نے اجتماعی زندگی کے نقائص اور ذمائم کو ہدف ملامت بنایا ہے - مس آسٹن، ڈکنس، ڈگلس جیرولڈ کی طنزی تصانیف بھی مختلف نوعیتوں کے ساتھہ بلند پایہ تسلیم کی

گئي هيں - اسي سلسلہ ميں "امريکن اسکول" کي طنزيات کا محض ضمني تذکرہ بھي يہاں سے موقع نہ ہوگا - اس کی بنياد واشنگٹن ارونگ نے رکھي تھي اور اس کے مبتعين هلر برٹن ، پالڈنگ ، هومس اور ڈڈلے هيں -

اب وہ دور آتا ہے جس ميں طنزيات نے اپنی ديرينہ شدت تلخي اور زهرناکی ايک حد تک نظر انداز کردي ہے - يہ مضحکات اور مطائبات کا عہد ہے - هر بات خوشگوار انداز سے کہي جاتي ہے حرب و ضرب کا عہد گزر چکا ہے - کچھہ خوشگوار شوخياں ، اُچٹتي هوئی ضربيں ، تھوڑي بہت حريفانہ چشمک - ليکن يہ سب کچھہ اس انداز سے کہ ادبي لطائف و ظرائف پامال نہ هونے پائيں - انگريزي ادب ميں عام هيں - اس سلسلہ ميں مورتمر کولنس ارتھرلاک ، فريڈرک لوکر ، ڈبلو اس گلبرٹ ، ڈاکٹر والٹرس اسمتھہ کا نام خصوصيت سے ليا جاتاہے -

موجودہ دور ميں اسکرواٹلڈ چسٹرٹن اور برنارڈشا کا شمار بہترين طنزيئين ميں هوتا ہے ، جس کي تفصيل في الحال نظر انداز کي جاتي ہے -

در شعر سہ تن پيمبرانند　　هر چند کہ لانبئي بعدي
ابيات و قصيدہ و غزل را　　فردوسي و انوري و سعدي

ليکن فارسی شاعري کا يہ کرشمہ بھي ديدنی ہے کہ ايک طور پر ان ميں سے هر ايک هجو و هجا کے فن کا بھي امام تھا - فردوسي کے متعلق بيان کيا ہے جاتا ہے کہ اُس کو طنزيئيں کی صف ميں داخل کرنا جائز نہيں ہے - ليکن اگر فردوسي کا تنہا شاهکار شاهنامہ ہے تو يہ کہنا بھی غالباً بے محل نہ هوگا کہ خود شاہ نامہ سے کم شہرت اُس هجو کی نہيں ہے جسے فردوسي نے محمود کے

فارسي طنزيات

خلاف لکھکر اُس کے دامن کو همیشه کے لئے داغدار اور اُس کي ادبي پرستاریوں کو بے نور کر دیا۔ بعضوں کا تو خیال هے که یه هجو اور اُس کي شان نزول دونوں فرضي هیں لیکن یہاں یه بحث کسي حد تک غیر متعلق هوگي ۔ شاه نامه کے پرستاروں کي تعداد اور استعداد پر نظر رکھتے هوئے یه خیال قریں قیاس هے که اس واقعه (هجو گوئي) کا قطعاً صحیح یا کلیتاً فرضي هونا دونوں صحیح هوسکتا هے ورنه یا تو شاید شاهنامه محض ایک ""دوسرے درجه"" کي کتاب هے یا اُس کے پرستاروں کا شمار ""تیسرے درجه"" کے لوگوں میں هے ۔

شاهنامه یا ایران کي داستان رزم و بزم فردوسی نے جس طور پر تن تن اور جھوم جھوم کر سنائي هے اس سے کون نہیں واقف هے ۔ اس سلسله کي آخري کڑیاں بھي ملاحظه هوں ۔

یکے بندگي کردم اے شہریار — که ماند ز تو در جہاں یادگار
بسے رنج بردم دریں سال سی — عجم زنده کردم بدیں پار سي
اگر شاه را شاه بودے پدر — بسر بر نہادے مرا تاج و زر
و گر مادر شاه بانو بُدے — مرا سیم و زر تا بزانو بدے
چو اندر تبارش بزرگي نبود — نیا رست نام بزرگاں شنود
پرستار زاده نیاید بکار — اگرچه بود زادهٔ شہریار
سر ناسزایاں بر افراشتن — و زیشاں امید بهي داشتن
سر رشتهٔ خویش گم کردن است — بجیب اندروں مارپروردن است
درختے که تلخ است ویراسرشت — گرش در نشاني بباغ بہشت
ور از جوئي خلدش بہنگام آب — به بیخ انگبیں ریزي شیرناب
سر انجام گوهر بکار آورد — هماں میوهٔ تلخ بار آورد
زبد اصل چشم بهي داشتن — بود خاک در دیده انباشتن
جہاں راچواین است آئین و ساز — که سازد فرومایه را سرفراز

پشیزے بہ از شہریار چنیں کہ نے کیش دارد نہ آئین ودیں
ازاں گفتم ایں بیتہائی بلند کہ تا شاہ گیرد ازیں کار پند
کہ شاعر چو رنجد بگوید ہجا بماند ہجا تا قیامت بجا

فردوسي کو طنزیئیں کے صف میں داخل کرنا بعضوں کے نزدیک اگر غیر متعلق یا غیر صحیح ھے تو غالباً علامہ شبلي مرحوم کے اس فیصلہ کو ملحوظ رکھنا بھی بعضوں کے نزدیک ایک سند جواز ھے -

"کلام کي جہانگیري دیکھو - محمود نے دنیا کي بڑي بڑي سلطنتیں مٹادیں ؟ ملک کے ملک غارت کر دئے ؟ عالم کو زیر و زبر کر دیا ؟ مگر فردوسي کي زبان سے جو بول نکل گئے آج تک قائم ھیں اور قیامت تک نہیں مٹ سکتے " -

سلطان سنجر کے دربار کا نہایت زبردست اور معزز شاعر انوری بھي اس فن میں یکتائے عصر مانا گیا ھے - انوری کے نزدیک ہجو کی شان نزول یہ ھوتي ھے -

* سہ بیت رسم بود شاعران طامع را
یکے مدیح دگر قطعہ تقاضائی
اگر بداد سیم شکر ورنہ داد ھجا
ازیں سہ بیت دوگفتم د گرچہ فرمائي

آخر عمر میں انوري ھجو و ھجا سے تائب ھوگیا تھا جس کا تذکرہ ایک قطعہ میں نہایت بلاغت سے کیا ھے اور چوں کہ یہ خود اپني وقت میں اس فن کا امام رہ چکا ھے اس لئے ھجو اور ھجو گوئی کے متعلق اس کا نظریہ ھر طور پر قابل التفات ھے -

دي مرا عاشقکے گفت غزل میگوئي
گفتم از مدح و ھجا دست بیفشاندم ھم

---

* یہ اشعار خلاق المعا نی کمال اصفہاني کے جانب بھي منسوب کئے جاتے ھیں -

گست چون گفتمش آن حالت گمراهی بود
حالت رفته دگر باز نه آید ز عدم

غزل و مدح و هجا هر سه ازاں گفتم
که مرا شهوت و حرص و غضبی بود هم

آں یکے شب همه شب درغم و اندیشه آں
که کند وصف لب چوں شکر و زلف بخم

واں دگر روز همه روز دراں مصلحت و غم
که کجا از که و چوں کسب کند پلنج درهم

واں سه دگر چوں سگ خسته تسلیش بران
که زبو نے بکف آرد که از و آید کم

چوں خدا این سه سگ گرسنه راشاشانم
باز کرد از سر من بنده عاجز به کرم

غزل و مدح و هجا گویم یارب زنهار
بس که بانشس جفا کردم و بر عقل ستم

شعرائے فارسي میں هجو کا معیار نہایت پست رها هے اور افراد کي هجو میں یه اکثر انتہائی رکاکت اور فحاشي کو دخل دیلے لگتے هیں - لیکن جہاں یه رکاکت ارر فحاشی بجائے خود بے محل اور غیر متعلق هوجاتي هے ؟ وهاں اُن کي مبالغه آفریني اور جدت طرازي دلچسپ بهي هوجاتي هے -

فارسی شعرا کو گھوڑے کی هجو لکھلے میں نہایت لطف آتا هے - انوری نے گھوڑے کی هجو لکھی هے -

بر عادت از و فاق بصحرا بروں شدم
بایک دو آشنا هم از ابدائي روزگار

اسپے چناں کہ دانی زبر از میانہ زیر
وز کاهلی کہ بود نہ سکسک نہ راهوار
در خفت خیز ماند همہ راہ عیدگاہ
من گاہ از و پیادہ و گاهی براو سوار
نہ از غبار خاستہ بیروں شدے بزور
نہ از زمین خستہ بر انگیختے غبار
گہ طعنہ ازیں کہ رکابش دراز کن
گہ بذلہ ازاں کہ عنانش فرو گذار

اِس سلسلہ میں سودا کي نظم هجو اسپ موسوم بہ "تضحیک روزگار" بھي قابل اعتنا ھے - بہت ممکن ھے سودا نے انوري ھي کي نظم پیش نظر رکھہ کر یہ نظم مرتب کی هو کیوں کہ دونوں کی بحر ایک هی ھے اور بعض مقامات پر خیال کي پرواز بھی ایک ھي جانب هوئي ھے - سودا کے چند اشعار اس ضمن میں پیش کرنا غالباً ناظرین کي دلچسپي کا موجب هوگا -

مانند نقش نعل زمیں سے بجز فنا
هرگز نہ اُتھہ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار
مانند اسپ خانۂ شطرنج اپنے پاؤں
جز دست غیر کے نہیں چلتا ھے زینہار
آگے سے توبرہ اُسے دکھلائے تھا سئیس
پیچھے نقیب هانکے تھا لاٹھي سے مار مار
اس مضحکے کو دیکھہ هوئے جمع خاص و عام
اکثروں مدبروں سے کہتے تھے یوں پکار
پھٹے اسے لگاؤ تا هوئے یہ رواں
یا بادبان باندھو پون کے دو اختیار

حکیم محمد بن عمرالجوهری الهروی نے بھی ایک قصیدہ اس موضوع پر ترتیب دیا ہے -

دی مرا آخر سالو خداوند جہان
داد اسپی کہ ز پیری یست بفریاد و فغان

سفتہ زن اسپ کہ از شانۂ او در رفتن
ہر زمان آید در گوش دگرگون دستان

راست مانند یکی اشتر باریک و حزین
از سر شانہ برون آمدہ او را کوہان

پشتش از گوشت تہی گشتہ بسان تابوت
شکم از کاہ بہا گندہ بسان کہہ دان

سرطان وار بیک پہلو در راہ رود
کہ ہمہ دست شد و پائے بسان سرطان

در سر آید چو رسد پو شکمش زخم رکاب
بہ نشیلد بدم انکہ چو کشی باز عنان

گشت با بلدہ کہ با نوح بدم در کشتی
بکہ انکہ جہان گشت خراب از طوفان

یاد دارم کہ چو یوسف بعزیزی بنشست
سوئے مصر آمد یعقوب نبی از کنعان

روحی والو الجی شاگرد قطران بن منصور ترمذی نے بھی اس میدان میں تگ و تاز کی ہے -

آں اسپ ناروان کہ زبے طاقتی چو آب
تا یافتے نشیب نرفتے سوئے فراز

بر دے بہر فراز و نشیبے ہزار بار
از دست و پائے للگ زمین را بسر نماز

فرخاری نے بھي اسي موضوع پر چند اشعار کہے ھیں -

اسپے دارم کہ ھرگز ایزد
قانع تر ازو نیا فریند

تا روز ز عشق جو ھمہ شب
از خرمن ماہ خوشہ چنید

گفتہ کہ جو نماند ازیں غم
مي خواھد تعزیت ازیں گزیند

بوسیدہ پلاس وپارۂ کاہ
مي خواھد تا درو نشیند

سلمان ساؤ جي کا رنگ ملاحظہ ھو -

شاھا امید بود کہ خاھم بدولتت
بر مرکبے بلند و جوان و رواں نشست

اسپیم پیر و کاھل و کوتہ ھمی دھند
اسپے نہ آنچناں کہ توانم براں نشست

چوں کلک مرکبے سیہ و سست و لاغر است
جہل مرکب است بہ‌اسپے چناں نشست

از بندہ مہتر است بہ سي سال راستي
گستاخي است بر زیر مہتراں نشست

جمال‌الدین محمد عبدالرزاق اصفہاني نے یوں طبع آزمائی کي ھے —

صائم‌الدھر اسپکے دارم کہ بدہ روز روزہ نکشاید
در رکوع است سال و مہ لیکن گہہ گہے در سجود افزاید
روز عید است وھریکے امروز بطعامي دھن بیالاید
گر تفضل کند خداوندم پارۂ کاہ جو بفرماید
ورنہ رخصت دھد کاندر شرع روزۂ عید داشتن شاید

مرزا مقیم جوهري کي جولانئ طبع ملاحظه هو -

روند چو آب فرو بر زمین زبار گران
اگر کند گزر از زیر نخل سایه فگن
اگر گره نزنم بردمش زکثرت ضعف
بسان رشته تواند گزشت از سوزن
نخور ده کاه و نه دیده است جو نه کند گیاه
بغیر یال و بالیش نیست در گردن
زبار ضعف سر از جائے بر نمیدارد
عناں بدارد اگر دست لطف در گردن

کوشکي قائیلی ، محمد بن علي سوزني ، حکیم جلال ، دهقان علي شطرنجي ، عمعق بخاري ، صدر الدین عمر بن محمد الخرما بادي ، جلال الدین ناصر شمس غزنوي ، مجد الدین بولمتانی ، شرف الدین شفروه ، شرف الدین پدنجدي ، سراج الدین اسفرائیلي ، نجیب الدین خطاط ، اپنے اپنے عهد کے مشهور ظلزیفین گذرے هیں - ان میں سے هر ایک کي حاضر جوابی ، مطائبات ، مضحکات ، فحشیات یا مغلظات کا تذکره تفصیل کا محتاج هے جس کا موقع نهیں هے اور جس کي جرات بهی نهیں کي جاسکتی -

کمال اسمعیل کے باب میں کسي قدر تفصیل سے کام لینا قارئین کي دلچسپی کا باعث هوگا ، کمال کے متعلق علامه شبلي نے شعرالعجم حصه دوم میں فرمایا هے -

"شاعری پر سب سے بڑا احسان کمال کا یه هے که شاعري کي ایک ایسي صنف یعنی هجو اور ظرافت جو انوری اور سوزنی کي وجه سے لچوں کي زبان بن گئی تهی ، کمال نے اس کو نهایت لطیف اور پر مزه کردیا - اگرچه بهتر تو یهي تها کے یه بیهوده صنف سرے سے اُڑا دی جاتي ، لیکن

هجو شعرا کا ایک بڑا آلہ تھا جس سے اُن کے معاش کا تعلق تھا اس لئے وہ اس سے بالکل دست بردار نہیں ہوسکتے تھے"۔

ہجو اور ظرافت کو بیہودہ صنف قرار دینا یا اُس کو شعرا کے معاش سے وابستہ کرنا ایسا دعویٰ ہے جس پر نظر ثانی کی ضرورت ہے ۔ اس میں شک نہیں اگر اس سے مقصود اس مخصوص قسم کی ہجا ہے جو فارسی ادبیات میں پائی جاتی ہے اور جس کا پایہ بڑی حد تک یقیناً پست ہے تو اُس کا نہ ہونا بہر حال اولیٰ تھا ۔ یہاں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ لاطیفی طنزیات کے اولین شعرا بھی اس قسم کی رکاکت کو روا رکھتے تھے؛ لیکن یہ موازنہ یوں خوش آیند نہ ہوگا کہ اُن کا ابتدائی عہد فارسی کے ترقی یافتہ دور سے ہم آہنگ ہے اور یہ فارسی شعر و ادب کے دامن پر ایک بدنما دھبہ ہے ۔ لیکن اسی سلسلہ میں زندہ اور اولوالعزم قوموں کے شعرا کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے جو ہجو و ہجا کو بر سرکار لانے میں اسی جرات اور پامردی کا اظہار کرتے آئے ہیں جو میدان حرب و ضرب میں سرفروشوں اور جانبازوں کا طرۂ امتیاز رہا ہے ؟ جنگ واٹرلو کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اُس کا فیصلہ ایٹن کے میدانوں میں ہوا تھا لیکن نپولین کی سطوت و جبروت کی پہلی شکست رولینڈ اور کرک شینک کی طعن و طنز اور ان کارٹونیوں (Cartoonists) سے ہوئی تھی جو ان آتش زبانوں کی تقلید کر رہی تھی ۔ میدانِ جنگ میں بظاہر شکست و ریخت کا انجام سامان ؟ سپاہی اور اسلحہ جات سے وابستہ ہوتا ہے لیکن بہت کم لوگ اس حقیقت سے آشنا ہوتے ہیں کہ زوال کی اولین بنیاد وہ شعرا اور مصنفین رکھتے ہیں جن کی تحریر و تقریر فریق محارب کے خلاف یا موافق بر سر کار رہ چکی ہوتی ہے ۔

هجو و هجا کا حقیقي مفہوم فارسي شعرا نے بہت کم سمجھنے کی کوشش کي ھے - فارسي شاعری تقریباً تمامتر درباری رھي ھے اکثر وبیشتر شعرا دربار کو مد نظر رکھکر اظہار خیال کرتے تھے - اور یہي وجہ ھے کہ ان کا زاویہ نگاہ کافی وسیع نہ ھوسکا - یہي اعتراض ھوریس کي شاعري پر بھي وارد ھوتا ھے جس نے ھمیشہ آگستس اور اس کے دربار کي سامعہ نوازي کے لئے قلم کو جنبش دي لیکن اس قسم کي مثال کثرت سے نہیں ملیگي -

یہ ایک عجیب بات ھے کہ جہاں تک فارسي شعر و شاعری کا تعلق ھے ابتدا سے انجام تک شعر و سخن کا پایہ تقریباً یکساں بلند ھے عہد بعہد کي ترقیوں پر غور کیا جائے تو عام طور پر صرف اظہار خیال یا اسلوب بیان میں تھوڑا بہت فرق نظر آئے کا لیکن جہاں تک جذبات کي مصوري اور فن شاعري کا تعلق ھے اول سے آخر تک یکساں سطح نظر آئے گي - هجو و هجا کا بھي یہي حال ھے لیکن شروع سے آخر تک جتنا عام شاعری کا پایہ بلند ھے اتنا ھي اس صنف کلام (هجو و هجا) کا پست اور رکیک ھے اور لطف یہ ھے اور یہ لطف عبرت سے بھي خالی نہیں کہ سعدي ایسا ثقہ اور متشرع شاعر بھي اس حمام میں آکر عریاں ھونے پر مجبور ھوا؟ دوسري طرف دور جدید کا مشہور قادرالکلام شاعر قا آنی ھے جس نے اس سر زمین میں پہونچکر وہ لے دے کی ھے کہ اس کي نظیر بمشکل کہیں اور ملسکے گی -

یہ بحث کو مزید تفصیل کی محتاج ھے لیکن بخوف طوالت هم یہاں اسي پر اکتفا کریں گے - اب هم قارئین کی توجہ ایک دفعہ پھر کمال کي طرف مبذول کراتے ھیں کمال نے ایک بخیل کا خاکہ یوں کھینچا ھے -

دي مرا گفت دوستے کہ مرا  بافلاں خواجہ از پئے دوسہ کار

سعدی چند ہست ازپئے آں خلوتے می بباندم ناچار
گفتم ایں فرصتے ارتوانی یافت وقت ناں خوردنش نگہ میدار

کسی نے کمال کو برا کہا تھا اس کا جواب کس لطیفہ انداز سے دیا ہے۔

شخصے بد ما بہ خاق می گفت ما از بد اونمی خراشم
ما نیکئی او بخلق گفتیم تا ہر دو دروغ گفتہ باشم

شیخ سعدی نے بھی بقول علامہ شبلی مرحوم ( شعرالعجم ) ——

"غزل میں زاہدوں اور واعظوں کا پردہ فاش کیا ہے اور ریاکاری کی دقیق اور باریک کارسازیوں کی قلعی کھولی ہے خیام نے رباعیوں میں اس مضمون کو ادا کیا ہے لیکن صاف صاف اور کھلے کھلے لفظوں میں شیخ کی طرح چبھتی چبھتی چوٹیں نہ تھیں" ——

شیخ سے قطع نظر کر لیا جائے تو یہ کہنا قرین حقیقت ہے کہ خود صوفیانہ شاعری نام نہاد طبقۂ زہاد وعباد کی فریب کاریوں پر ایک طویل اور جامع طنز ہے۔ ایک حد تک یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ صوفیانہ شاعری کا فروغ بھی اسی عہد سے وابستہ ہے جب طبقۂ زہاد کی فریب کاریاں انتہا کو پہونچ چکی تھیں۔ اس کی مثال عہد قدیم میں مشرق سے باہر بھی ملتی ہے۔ لینگلینڈ نے اپنی تمثیلیہ میں قسیسیوں کی زیاں کاری اور راہبوں کی حرص و آز کا نہایت بدیع نقشہ کھینچا ہے اس عہد کے معاشری معائب اور معاصی کی لینگلینڈ نے نہایت سخت سرزنش کی ہے۔ حافظ علیہ الرحمۃ نے زاہدوں کے "کار دیگر" کو اکثر نہایت لطیف اور دلدوز انداز سے برافگندہ نقاب کیا ہے۔ حافظ کی تقریباً تمامتر شاعری ان لوگوں کی ریاکاریوں کا ایک نقش بدیع ہے۔

املح الشعرا خواجہ عبید زاکانی فارسی ادب کا بے پناہ ہجو گو تسلیم کیا گیا ہے - ان کی ہجو و ہزل کی شان نزول بھی نہایت عجیب اور عبرت زا ہے - تذکرہ دولت شاہ سمرقندی میں یہ واقعہ ان الفاظ میں درج ہے -

"مفخر الفضلا خواجہ عبید زاکانی نسخہ در علم معانی تصنیف کردہ بنام شاہ سخن شاہ ابو اسحق میخواست تا آن نسخہ بعرض شاہ رساند گفتند کہ مسخرہ آمدہ است و شاہ باو مشغول است - عبید تعجب نمود کہ ہر گاہ تقرب سلطانی بمسخرگی میسر گردد وہزالاں مقبول و محترب و علما و فضلا محجوب و ملکوب باشند - چرا باید کہ کسی برنج تکرار پردازد و بیہودہ دماغ لطیف را بدود چراغ مدرسہ کثیف سازد؟ بمجلس شاہ ابو اسحق نارفتہ بازگشت"

عبید نے ہزالی اور مسخرگی کا عزم کرلیا تھا - دوستوں نے صلاح دی کہ یہ فعل ناروا اور غیر مستحسن ہوگا لیکن یہاں صرف یہ جواب تھا -

رو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز
تا داد خود از مہتر و کہتر بستانی

سلمان ساؤجی نے ایک قطعہ تصنیف کیا تھا جس میں ان کی ہجو کی تھی -

جہنمی ہجا گو عبید زاکانی
مقرر است بہ بیدولتی و بیدینی
اگرچہ نیست زقزوین و روستا زاد است
ولیک میشود اندر حدیث قزوینی

یہاں اس نکتہ کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ ظرفائی ایران کے نزدیک قزوینی احمق، خراسانی خر، طوسی گاؤ و بخاری گاؤ

تصور کئے جاتے ھیں عبید نے یہ قطعہ سنکر سلمان کی فکر میں بغداد کا رخ کیا - وھاں پہونچے تو سنا کہ سلمان دجلہ کے کنارے علما و فضلا کي صحبت میں مشغول سیر و تفریح ھے - یہ بھي کسي طرح باریاب ھوئے - دجلہ پر سیلابی کیفیت تھي ؟ سلمان نے یہ مصرعہ پڑھا -

دجلہ را امسال رفتار عجب مستانہ ایست

عبید نے برجستہ کہا -

پائے در زنجیر و کف بر لب مگر دیوانہ است

سلمان نے خوش ھوکر دریافت کیا کہاں سے آنا ھوا - کہا قزوین سے سلمان نے کہا سلمان کا نام قزوین میں مشہور ھے اس کے اشعار میں سے بھي کسي کو وھاں قبول عام نصیب ھے انھوں نے کہا یہ قطعہ بہت مقبول ھے -

من خرابا تیم و بادہ پرست

در خرابات مغاں عاشق و مست

میکشندم چو سبو دوش بہ دوش

مي برندم چو قدح دست بہ دست

لیکن ساتھہ ھي ساتھہ یہ بھی کہدیا

"سلمان مرد فاضل است و می تواں ایں قطعہ را بوي نسبت داد ؟ اماظن غالب ؟ آں است کہ ایں قطعہ از زن او باشد" سلمان بد حواس ھوگیا اور سمجھہ گیا کہ کن بزرگ سے سابقہ پڑا ھے - بڑي معذرت کي اور ان کی مدارات میں کوئي دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا مولانا نے فرمایا -

اے سلمان بخت یاورے کرد کہ زود باعتذار اقدام نمودی و از شّر زبانم رستي"

عبید نے مختلف مباحث پر طبع آزمائی کی ہے۔ ان میں سے ایک رسالہ اخلاق الاشراف ہے۔ یہ رسالہ ان تمام مناہی اور معاصی کے خلاف ایک طنز ہے جن کی ایران میں گرم بازاری تھی۔ عبید نے مضامین رسالہ کے دو عنوان مقرر کئے تھے ایک "مذہب منسوخ" یعنی اسلاف اکابر نے اصول زندگی اور نظام اخلاق کا کیا حقیقی معیار رکھا تھا۔ دوسرا "مذہب مختار" یعنی اخلاف نے ان تمام اصول کو مسخ کرکے اب کونسا طریقہ اختیار کیا تھا طوالت کے اندیشہ سے یہاں کوئی اقتباس نہیں پیش کیا جاتا۔

دوسرا رسالہ صد پند ہے تمہید میں فرماتے ہیں اس کے محرک افلاطون کے وہ نصائح ہیں جن کو اس نے اپنے شاگرد ارسطو کے لئے ملفوظ کئے تھے؟

مشتے نمونہ از خروارے۔

(۱) عیش امروز بفردا میفگنید؟

(۲) زمان نا خوش را بحساب عمر مشمرید؟

(۳) طعام و شراب تنہا مخورید کہ این شیوہ کار قاضیان و جہودان باشد؟

(۴) از دشنام گدایان وسیلئی زنان و زبان شاعران و مسخرگان مرنجید۔

اس کے بعد رسالہ تعریفات ہے جس کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

(الدانشمند) آن کہ عقل معاش ندارد؟

(الخسیس) مالدار؟

(الناامراد) طالب علم؟

(المدبر) بزرگ ایشان؟

(دارالتعطیل) مدرسہ؟

(القاضي) آں کہ ہمہ او را نفریں کنند ؟

(الرشوۃ) کار ساز بے چارگاں ؟

(ملک الموت) ساقي باریش ؟

(ذوالقرنین) آں کہ دو زن دارد ؟

(المتواضع) مفلس ؟

ایک جگہ قرض کا نوحہ کیا ہے ۔

مردم بعیش خوشدل و من مبتلائے قرض
هر کس بکار و بارے و من مبتلائے قرض
فرض خدا و قرض خلائق بگردنم
آیا ادائے فرض کنم یا ادائے قرض
در شهر قرض دارم اندر محلہ قرض
در کوچہ قرض دارم و اندر سرائے قرض
عرضم چو آبروئے گدایاں بباد رفت
از بسکہ خواستم ز در هر گدائے قرض
(خواجہ علاء دنیا و دین) آنکہ جز کفش
هرگز کسے نداد بگیتي سزائے قرض

کچھہ رباعیات بھي ہیں لیکن چند کے علاوہ سب کي سب اس قابل ہیں کہ ان کو کسي قسم کي تحریري یا زباني نقل و حرکت کي زحمت نہ دیجائے ۔ عبید نے ایک طویل ترجیع بند بھي تصنیف کیا ہے جس کي تفصیل کي یوں گنجائش نہیں ہے کہ خود اس کا مخصوص عنوان اس قدر بے محابا اور بے لگام ہے کہ اس کا تذکرہ نہ کرنا ہي افضل ہے اس کے بعد کچھہ تخمیسات اور قطعات ہیں ۔ سب سے آخر میں رسالہ دلکشا ہے ۔ ان میں

سے کسی کے متعلق تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں ہے - آخر میں فرماتے ہیں :-

گرچہ توحید و بیاں درکار است

قدرے ہم ہزلیاں درکار است

اس سلسلہ میں -

مفخرالظرفا سراج‌الدین قمری قزوینی ، املح‌الظرفا مولانا ابواسحق شیرازی ، مولانا برندق بخاری ، نادم جرجانی عباس نشاطی ، گلیچ ذوفنونی مولانا جلوتی اند خودی مفخرالفضلا و ظرفا خواجہ منصور قرابوغہ طوسی ، شہاب تر شیزی وغیرہ کا نام بھی آتا ہے ان میں ہر ایک مطائبات اور ہزلیات میں کمال رکھتا تھا لیکن ان کے کلام کا زیادہ حصہ ایسا ہے جس کا تذکرہ نہ کرنا ہی بہتر ہے -

فارسی شاعری کے طنزئین کا یہ ایک مختصر خاکہ تھا - ہندوستانی فارسی شعرا میں نعمت خان عالی کا نام بھی اس ضمن میں خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے - نعمت خان عالی کے یہاں طعن و طنز کے علاوہ جس میں ہجو ملیح کی بعض روشن مثالیں ملیں گی الفاظ کے الٹ پھیر - اور ضلع جگت کا عنصر غالب نظر آئے گا - ان کے مطائبات و مضحکات جہاں تک تشبیہ و استعارہ یا کسی علم و فن کے اظہار کا تعلق ہے خاص طور پر قابل اعتنا ہیں -

جہاں تک ایرانی شاعری کا تعلق امرا یا سلاطین کے دربار اور اُن کی شخصی حکومت سے ہے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں رکھی جاسکتی کہ یہ فضا طنزیات کے لئے موزوں نہ تھی - اس کے اسباب ظاہر ہیں جس کا تذکرہ اس سے پہلے کیا جا چکا ہے - لیکن جب سے ایران کی شخصی سلطنت معرض زوال میں آئی اور مشروطہ

کي پزیرائی کے لیے ایران بغاوت اور انقلاب کا گہوارہ بنگیا ۔ جہگوں میں آزادي فکر کا عنصر پیدا ہوا اور مختلف ہمسایہ قوتوں نے اپنی اپنی ریشہ دوانیوں سے ارض ایران کو ورطۂ کشا کش میں ڈالدیا ایران کي شاعري میں زندگي اور نمو کے آثار پیدا ہونے لگے ۔ اس کا اثر خود قاآنی کے کلام میں پیدا ہے گو اس سے بھي انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جہاں تک ہجو و ہجا کا تعلق ہے قاآنی کا کلام اس کے پیشروؤں کے مانند پست اور رکیک ہے ۔

اقوام کے طبائع میں جب کبھي تضاد و تصادم پیدا ہوا اور اُن میں بیداري کے آثار نمایاں ہوئے خیالات کا جمود اور قدامت دوستي یکلخت مفقود ہوگئي ہے ۔ ایران کي موجودہ شاعري اسے کسر و انکسار کا نتیجہ ہے اور اس میں شک نہیں یہ بیداری ملک و ملت کے تاریخ میں ایک جدید اور روشن باب کا اضافہ کرتي ہے گو اس سے بھي انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ لطافتیں ؟ وہ نازک خیالات اور حسّیات لطیف کي وہ مرقعہ کاري جو قدما اور متوسطین کا طرہ امتیاز تھا دور حاضر کي شاعري سے تقریباً ناپید ہے لیکن موجودہ شعر و شاعري میں زندگي کے آثار پائے جاتے ہیں اور اس میں شک نہیں قوم کي خوابیدہ حمیت کو بیدار کرنے کے لیے یہ ضروري ہے کہ شعرا کبھي کبھي فرسودہ راستوں کو اختیار کرنے سے اجتناب بھي کریں ۔

شیخ فضل اللہ مشہور استبدادي مجتہد کا جس کے باب میں کہا جاتا ہے کہ اُس نے قوم کي آزادي کو سب سے زیادہ دام لگانے والے کے ہاتھہ فروخت کر ڈالنے کا ارادہ کیا تھا ؟ ایک شاعر نے یوں خاکہ کھینچا ہے ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ نظم ۱۲ جولائي ۱۹۱۹ع کو شائع ہوئي جس روز

کہ سپہدار کی کمان میں رضاکاران ملّی کا داخلہ طہران میں ہوا ہے -

حاجی بازار هراج است هراج کو خریدار هراج است هراج
میفروشم همه ایران را عرض و ناموس مسلمان را
رشت و قزوین و قم و کاشان را بخرید این وطن ارزان را
یزد خوانسار هراج است هراج کو خریدار هراج است هراج

---

طبل و شیپور علم را کے میخواد شیر و خورشید رقم را کے میخواد
تخت عجم را کے میخواد تاج کے؛ مسند جم را کے میخواد
اسپ و افسار هراج است هراج کو خریدار هراج است هراج

---

گویند مردمان اروپا کہ کذب و شهد
با طینت اهالئی ایران سرشته اند
مستند اگر نفوس اروپا چو مورنارد
ایرانیاں بہ نسبت ایشاں فرشته اند

---

ملک الشعرا بہار مشہدی نے سر اڈورڈ گرے کو یوں مخاطب کیا ہے -

سوئے لندن گذر اے پاک نسیم سحرے
سخنے از من بر گو بہ سر اڈورڈ گرے
کاے خرد مند وزیرے کہ نپرورده جہاں
چوں تو دستور خرد مند وزیرے دگرے
نقش پیطرز بفکر تو نقش بر آب
رائے بومارک بہر رائے تو رائے سپرے
بر کشودے در صد سالہ فرو بستۂ هند
بر رخ روس و نکر سیدی ز در بدری

زہے آں خاطر دانائی رزیں تو زہے

فرے آں فکر توانائی متین تو فرے!

جرمنی کے باب میں ایرانیوں کو غلط فہمی تھی کہ یہ مسلمانوں کا دوست اور روس کا دشمن تھا - لیکن ایران کے معاملات میں اس کی مداخلت بیجا نے سارا نقشہ پلٹ دیا - اس ناخوانده مہماں کی پذیرائی یوں کی گئی ہے -

مہماں تازہ وارد ایراں خوش آمدی

بالائے چشم جائے تو الماں خوش آمدی

ایران بخوان ماند و بیگانگاں بضیف

ناخوانده مہماں سر ایں خواں خوش آمدی

از بہر صید مرغ دل عاشقان زار

در دست دام و دانہ بداماں خوش آمدی

با دعوی حمایت اسلام و مسلمین

گشتی دخیل حوزۂ دز داں خوش آمدی

لیکن چوں بردہ اند حریفاں ہر انچہ بود

ترسم شود نصیب تو حرماں خوش آمدی

رندانہ با بہانہ دارالفنون و بانک

نائل شدی بمقصد پنہاں خوش آمدی

مرزا آقا خاں نے ناصر الدین شاہ قاچار کے خلاف ایک ہجو (غالباً) فردوسی کی نظم (ہجو) پیش نظر رکھ کر لکھی تھی - یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ نظم فردوسی کی نظم سے کہیں فرو تر ہے -

اگر شاہ را بود حسّے نہاں

مرا ساختی بے نیاز از جہاں

چو در خون او جوهر شرک بود
ز توحید اسلام خشمش فزود
مرا بیم دادی که در ارد بیل
تلم را بزنجیر بندی چو پیل
ز کشتن نه ترسم که آزاده ام
ز مادر همی مرگ را زاده ام

ایرنی شاعری کا موجودہ دور جس کے علمبرداروں میں اشرف مرزا اکبر علي دخو بہار مشہدي عارف قزویلی پور داؤد مرزاحسین کمال کا نام لیا جا سکتا ھے اور جن کے کلام کا جستہ جستہ نمونہ پیش کیا گیا ھے متقدمین اور متوسطین کی کھلی شاہراہ سے علیحدہ نظر آتے ھیں لیکن باوجود ان تمام امید افزا توقعات کے جو اس دور کے ساتھہ وابستہ کیجاسکتي ھیں پروفسر براؤن انجہانی کا یہ مقولہ بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا -

"یہ نظمیں اپنے اوصاف اور خوبیوں میں مختلف اور متلوع نظر آتی ھیں اور گو ان میں سے بعض ایسی ھیں جو محمد علي کے عزل نے بعد اور اس نے صغیرالسن فرزند سلطان احمد کي تخت نشیني کے دوران میں لکھي گئي ھیں بحیثیت مجموعي یہ قدیم طرز شاعري کي ترجمان ھیں اور اُن نظموں میں جو ھجو اور ھزل سے متعلق ھیں زبان کی وھي رکاکت پائي جاتي ھے جو قدیم ھجویات و ھزلیات میں نمایاں ھے"

# طنزیات اردو

ہمارا " جنت نشان " اگر انیسویں صدی کے آخری مراحل سے گذر کر بیسویں صدی کے متعدد کررتیں نہ لے چکا ہوتا تو آج یہ کہنے میں کس کو تامل ہو سکتا تھا کہ اُردو طنزیات میں (جعفر کی زٹلیات سے قطع نظر) سودا کے علاوہ کوئی اور ہستی نظر نہیں آتی - اُردو غالباً دنیا کی تمام زبانوں میں سب سے نو عمر ہے ' بایںہمہ اُس نے اتنی کم مدت میں جتنے منازل ترقی طے کیے ہیں وہ حیرت انگیز بھی ہے اور قابل فخر بھی ' اُس کا ابتدائی دور ہندو مسلمان دونوں کے خلوص اور جانفشانی کا مرہون منت ہے - ایک معقول اور سنجیدہ ادب جن موضوعات پر مشتمل ہوتا یا ہو سکتا ہے ' وہ اُردو میں تصنیف و تالیف یا ترجمہ کے ذریعے سے کافی حد تک منتقل ہو چکا ہے - اگر کسی کو اُس کے بے بہا یا عالمگیر امکانات ترقی کی طرف سے اندیشہ یا مایوسی ہے تو یہ اُردو کا نقص نہیں ہندستانی قومیت کا نقص یا محرومی ہے ' جس کا ماتم ہندو یا مسلمان کریں یا نہ کریں ہندوستان کو تو بہر حال ہے !

بایںہمہ یہ کہنے میں بھی تامل نہیں ہو سکتا کہ جہاں تک طنزیات کا بحیثیت فن اور ادب کے تعلق ہے اودھ پنچ (لکھنؤ) کے دور سے قبل طنزیئین کی مثال صرف سودا کی ذات میں ملتی ہے - سودا کے عہد میں چند اور طنزی شعرا موجود تھے مثلاً میر ضاحک فدوی ' مکین اور بقا لیکن ان کو کوئی مستقل حیثیت نصیب نہ تھی ' گھوم پھر کر نگاہیں صرف سودا یا پھر ان کے بعد کسی حد تک

انشا اور مصحفی پر پڑتی ہیں - انشا اور مصحفی کو مخصوص طور پر طنزیئین کے صف میں داخل کرنا موزوں بھی نہیں ہے - ہجو و ہجا ان کا مسلک شعری نہ تھا اور نہ اس حیثیت سے ان کو قبول عام نصیب ہوا - ان کی ہجو و ہجا صرف معاصرانہ چشمک کی حد تک تھی -

سودا کو اردو ہجو و ہجا میں نہ صرف فضل تقدم حاصل ہے بلکہ اُن کے کلام سے طنزیات کی بہترین صلاحیت و استعداد بھی نمایاں ہے ' لیکن جیسا کہیں عرض کیا گیا ہے بہترین طنز کی اساسی شرط یہ ہے کہ وہ ذاتی عناد و تعصب سے پاک اور ذہن و فکر کی بے لوث برہمی یا شگفتگی کا نتیجہ ہو - اس معیار پر سودا کی ہجویں تمام و کمال پوری نہیں اترتیں تاہم اس خارستان میں بھی طنز و مضحکت کے ایسے نمونے ملتے ہیں جن سے اُن کی زندہ دلی اور شگفتہ مزاجی کا ہمیں پوری طرح معترف ہوجانا پڑتا ہے -

سودا نے شعر و شاعری کی ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے لیکن ان کو جو خصوصیت ایک ہجوگو ہونے کی حیثیت سے حاصل ہے وہ سب پر فوق ہے اور یہی ان کا طغرائے امتیاز ہے ' مصنف آب حیات نے کہا ہے کہ اس فن میں ان کو اتنا کمال تھا اور لوگ اس وجہ سے ان سے اس درجہ خائف رہتے تھے کہ کبھی کسی کو ان سے ٹکر لینے کی ہمت نہیں ہوئی - سودا کے ہم عصر اور ایک حد تک مد مقابل میر ضاحک ' فدوی مکین اور بقا تھے - ان سے برابر چشمک ہوتی رہی ' مرزا نے ایک نہایت طویل الذیل نظم " اُلو اور بلئے " کی لکھی ہے جس میں فدوی کو دونوں کا مجموعہ بنایا ہے - فاخر اور سودا سے بھی چوٹیں ہوا کرتی تھیں جس کا سودا کو ایک بار بری طرح خمیازہ بھگتنا پڑا تھا -

مرزا نے مرثئے اور سلام بھي کہے ھيں، ليکن علامہ شبلي کي مانند (جہاں تک مرثيہ کا تعلق ھے) يہ اس وادي ميں اجنبي تھے ۔ سودا کا اس صنف کلام ميں بے آھنگ ھونا فطري تھا ۔ ايک حقيقي طنزي شاعر کي نظر معائب اور نقائص پر پڑتي ھے اور وہ اسی کو طشت از بام اور مجروح کرتا ھے ۔ مراثي اور سلام کا عقائد سے تعلق ھے ۔ عقيدت اور پرستاري کا طنزيات سے کيا رشتہ ۔

سودا نے ايک قصيدہ ''شہر آشوب'' لکھا ھے ۔ مصنف آب حيات کا مقولہ ھے کہ اس ميں ابنائے وطن کا مرثيہ کہا ھے ممکن ھے يہ صحيح ھو ليکن اس نظريہ کے تسليم کرنے ميں يوں تامل ھوسکتا ھے کہ مرثيہ کا شمار ٹريجڈی (الميہ) ميں ھوتا ھے حالانکہ سودا سر تا سر کوميڈي (بزميہ) کے علم بردار ھيں ۔ ياس اور حزن کا رنگ کہيں نماياں نہيں ھے ۔ سودا نے ھر جگہ کشادہ جبيني اور خندہ روئي کو دخل ديا ھے ۔ راقم السطور کے نزديک سودا کے کلام ''مرثيت'' سے قطعاً مبرا ھے، ان کے کلام کا بحيثيت مجموعي مطالعہ کرنے کے بعد يہ حقيقت آشکار ھو جاتي ھے کہ ان کے ذھن اور فکر کو کسی ايسے مرحلہ سے شاذ و نادر ھي گذرنا پڑا ھے، جس کي فضا تاريک يا حزن آفرين رھي ھو ۔

مرزا کے قصيدہ ''شہر آشوب'' کا جستہ جستہ اقتباس حسب ذيل ھے ۔

گھوڑا لے اگر نوکري کرتے ھيں کسو کي
تنخواہ کا پھر عالم بالا پہ نشان ھے
گذرے ھے سدا يوں علف و دانہ کي خاطر
شمشير جو گھر ميں تو سپر بنئے کی ياں ھے
کہتا ھے نفر غرہ کو صراف سے جاکر
بی بي نے تو کچھ کھايا ھے فاقہ سے مياں ھے

یہ سن کے دیا کچھ تو ہوئی عید وگر نہ
شوال بھی پھر ماہ مبارک رمضان ہے

سوداگری کیجئے تو ہے اس میں یہ مشقت
دکھن میں بکے وہ جو خرید صفہان میں

قیمت جو چکاتے ہیں سو اس طرح کہ ثالث
سمجھے ہے فروشندہ پہ دزدی کا گمان ہے

شاعر جو سلے جاتے ہیں مستغنی الاحوال
دیکھے جو کوئی فکر و تردد کو تو یاں ہے

گر عید کا مسجد میں پڑھے جا کے دوگانہ
نمت قطعۂ تہنیت خان زماں ہے

تاریخ تولد کی رہے آٹھ پہر فکر
گر رحم میں بیگم کے سلے نطفۂ خاں ہے

اور ما حضر آخوند کا اب میں کیا بتاؤں
یک کاسۂ دال عدس و جو کی دو ناں ہے

دن کو تو بیچارہ وہ پڑھایا کرے لڑکے
سب خرچ لکھے گھر کا اگر ہندسہ داں ہے

جس روز سے کاتب کا لکھا حال میں تب سے
ہر صفحۂ کاغذ پہ قلم اشک فشاں ہے

وہ بیست ٹکے سیکڑے لکھنے کو ہے محتاج
خوبی میں خط اب جس کا بہ از خط بتاں ہے

ہدیہ ہو سوا پانچ ٹکے گدڑی میں آکر
یاقوت پکارے جو بتاؤ یہ فلاں ہے

دمڑی کو کتابت لکھیں دھیلے کو قبالہ
بیٹھے ہوئے واں مہر علی چوک جہاں ہے

چاہے جو کوئی شیخ بنے بہر فراغت
چھٹتے ہی وہ شعرا کے تو مطعون زماں ہے
دیتا ہے دم خر سے کوئی شملہ کو نسبت
گنبد سے کوئی پگڑی کو تشبیہہ کناں ہے
پوچھے ہے مریدوں سے یہ ہر صبح کو اُٹھکر
ہے آج کدھر عرس کی شب روز کہاں ہے
تحقیق ہوا عرس تو کر داڑھی کو کنگھی
لے خیل مریداں گئے وہ بزم جہاں ہے
ڈھولک جو لگی بجنے تو واں سب کو ہوا وجد
کوئی کودے کوئی روئے کوئی نعرہ زناں ہے
بے تال ہوئے شیخ جو ٹک وجد میں آ کر
سرگوشیوں میں پھر بد اسلوبی کا بیاں ہے
گر تال سے پڑتا ہے قدم تو سبھی ہلس ہلس
کہتے ہیں کوئی حال ہے یہ رقص کناں ہے
اور ما حصل اس رنج و مشقت کا جو پوچھو
ڈالا ہوا واں دال نخود قلیہ و ناں ہے
سب پیشہ یہ تج کر جو کوئی ہو متوکل
جورو تو سمجھتی ہے نکھٹو یہ میاں ہے
دنیا میں تو آسودگی رکھتی ہے فقط نام
عقبیٰ میں یہ کہتا ہے کوئی اس کا نشاں ہے
یہاں فکر معیشت ہے تو واں دغدغۂ حشر
آسودگی حرفیست نہ یہاں ہے نہ وہاں ہے

ہجو بھی ایک قسم کی واقعہ نگاری ہے اور اس کا کمال یہ ہے کہ شدتِ بحث،

موقعہ، یا زمانہ کی صحیح ترجمانی ہو۔ سودا نے اپنے طویل قصیدہ "شہر آشوب" میں جن اشخاص، مشاغل، یا حالت پر اظہار خیال کیا ہے اور جس شاعرانہ بلاغت کے ساتھ ان کے تمام جزئیات پر نظر ڈالی ہے اس کا ہر شخص قائل ہوگا۔ یہاں قصیدے کی نقل طوالت سے خالی نہ تھی شائقین کو اس قصیدہ کا مطالعہ کرنا چاہئے اور اس لئے اور بھی، کہ یہ خود آج کل کے واقعات اور حالات کا آئینہ ہے۔

ایک جگہ گھوڑے کی ہجو کی ہے وہ بھی قابل دید ہے (قصیدہ در ہجو اسپ المسمی بہ تضحیک روزگار) مثلاً:

ہے جب سے چرخ ابلق ایام پر سوار
رکھتا نہیں ہے دست عناں کا بیک قرار
جن کے طویلے بیچ کئی دن کی بات ہے
ہر گز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار
اب دیکھتا ہوں میں کہ زمانے کے ہاتھ سے
موچی سے کفش پا کو گنٹھاتے ہیں وہ ادھار
ہیں گے چنانچہ ایک ہمارے بھی مہرباں
پاوے مزا جو ان کا کوئی نام لے نہار
نوکر ہیں سو روپئے کے دیانت کی راہ سے
گھوڑا رکھے ہیں ایک سو اتنا خراب و خوار
نہ دانہ و نہ کاہ نہ تیمار نہ سئیس
رکھتا ہو جیسے اسپ گلی طفل شہر خوار
ناطاقتی کا اس کے کہاں تک کروں بیان
فاقوں کا اسکے اب میں کہاں تک کروں شمار
مانند نقش نعل زمین سے بجز فنا
ہر گز نہ اٹھ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار

ہر رات اختروں کے تئیں دانہ بوجھکر
دیکھے ہے آسماں کی طرف ہو کے بیقرار
دیکھے ہے جب وہ توبڑہ و تھان کی طرف
کھودے ہے اپنے سُم سے کوئیں تاپیں مار مار
فاقوں سے ہنہنانے کی طاقت نہیں رہی
گھوڑی کو دیکھتا ہے تو...... ہے بار بار
ہے اس قدر ضعیف کہ اُڑ جائے باد سے
میخیں گر اُس کی تھان کی ہوویں نہ استوار
سمجھا نہ جائے یہ کہ وہ ابلق ہے یا سرنگ
خارشت سے ز بسکہ ہے مجروح بے شمار
ہر زخم پر ز بسکہ بھنکتی ہیں مکھیاں
کہتے ہیں اُس کے رنگ کو مگسی اس اعتبار

سودا نے اپنے دوست سے یہ گھوڑا مستعار لینا چاہا تو اُنہوں فرمایا۔

ہے پیر اس قدر کہ جو بتلاوے اُس کا سن
پہلے وہ لے کے ریگ بیاباں کرے شمار
لیکن مجھے ز روئے تواریخ یاد ہے
شیطان اسی پہ نکلا تھا جنت سے ہو سوار
مانند اسپ خانۂ شطرنج اپنے پاؤں
جز دست غیر کے نہیں چلتا ہے زینہار
اک دن گیا تھا مانگے یہ گھوڑا برات میں
دولہا جو بیاہنے کو چلا اس پہ ہو سوار
سبزے سے خط سیاہ و سپید سے ہوا سفید
تھا سرو سا جو قد سو ہوا شاخ باردار
پہونچا غرض عروس کے گھر تک وہ نوجوان
شہکو خیمہ کے درچے سے کر اس طرف گذار

دھلي پر مرھٹون کی تاخت ھوئی ھے اور یہ گھوڑے پر بیٹھہ کر میدان کار زار کا رخ کر رھے ھیں ۔

چابک تھے دونوں ھاتھہ میں پکڑے تھا منھہ میں باگ
تک تک سے پاشنہ کے مرے پاؤں تھے فگار
آگے سے توبرہ اُسے دکھلائے تھا سئیس
پیچھے نقیب ھانکے تھا لاٹھی سے مار مار
اس مضحکے کو دیکھہ ھوئے جمع خاص و عام
اکثر مدبرون میں سے کہتے تھے یوں پکار
پھٹے اسے لگاؤ تا ھووے یہ رواں
یا باد بان باندھو پون کے دو اختیار
کہتا تھا کوئی ھے بڑ کو ھي نہیں یہ اسپ
کہتا تھا کوئی ھے گا ولایت کا یہ حمار
کہتا تھا کوئی مجھہ سے ھوا تجھہ سے کیا گناہ
کتوال نے گدھے پہ تجھے کیوں کیا سوار
اس مخمصہ میں تھا ھی کہ ناگاہ ایک روز
فتلے کو آسمان نے کیا مجھہ سے پھر دو چار
دھوبي کمھار کے گدھے اُس دن ھوئے تھے گم
اس ماجرے کو سن کیا دونوں نے واں گذار
ھر اک نے اُس کو اپنے گدھے کا خیال کر
پکڑے تھا دھوبي کان تو کھینچے تھا دم کمھار
بد پشمي اُس کي دیکھہ کے کر خرس کا خیال
لڑکے بھي واں تھے جمع تماشے کو بیشمار
وکہتا تھا کوئی لاکے سیپارے کو ملھہ کے بیچ
مو اُس کے تن سے کوئی اُکھاڑے تھا بار بار

کہتا تھا کوئی مجھسے کہ تو مجھکو بھی چڑھا

دوں گا تکے تجھے میں بھی نوچندی ایتوار

اس کوفت اور خفت سے بے اختیار ہو کر راکب نے مرکب کو بد دعا دی ہے —

دست دعا اُٹھا کے میں پھر وقت جنگ کے

کہنے لگا جناب الٰہی میں یوں پکار

پہلے ہی چھوٹتے گولا اس گھوڑے کے لگے

ایسا لگے یہ تیر کہ ہووے جگر سے پار

مرھٹوں سے دو چار ہونے کے بعد کا حادثہ ۔

گھوڑا تھا بسکہ لاغر و پست و ضعیف و خشک

کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقت کار زار

جاتا تھا جب ڈپٹ کے میں اُس کو حریف پر

دوڑوں تھا اپنے پاؤں سے چوں طفل نے سوار

جب دیکھا میں کہ جنگ کی یاں اب بندھی ہے شکل

لے جوتیوں کو ہاتھہ میں گھوڑا بغل میں مار

دھر دھمکا واں سے لڑتا ہوا شہر کی طرف

القصہ گھر میں آن کے میں نے کیا قرار

موجودہ دور میں مبالغہ نگاری کی جس قدر مذمت کی جاتی ہے؟ وہ ظاہر ہے اور ایک حد تک درست بھی ہے؟ لیکن متذکرۂ صدر ہجو میں کچھہ ایسے پہلو پیدا ہوگئے ہیں کہ یہاں مبالغہ ہی، اُس کا حسن بن گیا ہے ۔ جدت فکر نے غلو کو انتہا تک پہونچا دیا ہے؟ لیکن بجائے اُس کے کہ یہ گراں گذرے دل چاہتا ہے کہ کچھہ اور ہو ۔ نرپت سنگھہ کے ہاتھی کی بھی ہجو لکھی ہے ۔ اس میں شک نہیں زور بیان اور لطف کلام کا جو نمونہ ہجو اسپ میں نظر آتا ہے وہ اس میں ایک حد

تک بہت کم ہے، لیکن یہ وہ صنف کلام ہے جس میں سودا کبھی پھیکے نہیں پڑے -

ہوئی آقا پر اُس کے تنگدستی  کیا کرتا ہے اب وہ فاقہ مستی
بدن پر اب نظر آتی ہے یوں کھال  طناب سست سے خیمے کا جوں حال
نمودار اس طرح ہر استخواں ہے  گویا ہر پسلی اس کی نردباں ہے
ضعیفی نے کی اُس کی فربہی کم  کیا ہاتھی نکل اور رہ گئی دم
کہا اُس نے مہاوت سے میں اکروز  اگر آقا کے اپنے ہے تو دل سوز
تو کہہ ان سے کہ اس کو بیچ ڈالیں  عوض کاش اُسکے چرھنے کو گدھا لیں
دیا ان نے جواب اے میرے مخدوم  خریداری تو اس کافر کی معلوم
جو ہاتھی ہو تو لے کوئی خان و نواب  ہے یہ ایمان کی مسجد کی محراب
جو بیٹھے یہ تو اُٹھتا ہے اسے دور  لگیں اسکو نہ جب تک راج و مزدور
ہے اتنا چلنے میں بجز یہ بد ذات  نہیں ہاتھی صعوبت کی ہے یہ رات
یہ ہے اس مرتبہ بدنی میں منحوس  سلیچر جس کے ہونا ہے قدموس
جسے لا پھیلہ پر اُس کے بٹھایا  گویا باروت پر دم در اُڑایا

شیدی فولاد خان کوتوال شاہجہاں آباد کی ہجو میں ایک مثنوی لکھی ہے، مختصر اقتباس درج ذیل ہے -

گشت اُن کا جو پھرتا آتا ہے  یہی نر سنگیا بجاتا آتا ہے
سن لو چورو یہ مختصر قصہ  صبح کو پھوجدیجیو حصہ
جو نظر باز اُس کا چکرا ہے  خوب دیکھو تو جیب کترا ہے
کسو کا گٹھہ کٹی وتیرا ہے  کوئی بھروا اُٹھائی گیرا ہے
جس کے گھر بیچ اُس کا آقا جائے  صاحب خانہ پر یہ آفت آئے
تا خبردار گھر کا ہو صاحب  چوکھٹے پان دان تک غائب
شام سے صبح تک یہی ہے شور  دوڑیو گٹھری لے چلا ہے چور
رات جو اپنے گھر میں کھلڈرے  چور دروازے پر یہ ہلڈرے

ہوگئی کب تک بچا خبرداری — چور جاتے رہے کہ اندھیاری
خلق جب دیکھ کر کے یہ بیداد — کرتے ہیں کوتوال سے فریاد
بولے ہے وہ کہ میں بھی ہوں ناچار — گرم ہے چوٹٹوں کا اب بازار
کرتے ہیں مجھسے اب بجاکو ڈھول — میری پگڑی کا میرے سر پر مول
یارو کچھ چل سکے ہے میرا زور — دیکھو تو تک کہاں کہاں ہے چور
مت سکے مجھ فریب سے یہ خلل — ہے امیروں کے گھر میں چور محل
دیکھئے گر بتاں کو بھی بخدا — ہاتھ میں ہے انہوں کے دزد حنا
کس کو ماروں میں کس کو دوں گالی — چوری کرنے سے کون ہے خالی
چڑھکے جب مفسدوں پہ جاتا ہوں — وقت پر میں بھی جی چراتا ہوں
مچ رہا ہے اب اس طرح کا سانگ — ہے خداکے بھی گھر میں چورکی تھانگ
بچ سکے کیونکہ اب کسی کی شے — ملا مسجد کا صبح خیزیا ہے

آخر میں تو کمال ہی کر دیا ہے، فرماتے ہیں ـــــ

یہ جو سودا بکے ہے لا یعنی — آپ کرتا ہے دزدئی معنی ؎

ایک مثنوی کسی دولت مند بخیل کی ہجو میں لکھی ہے ۔ کہتے ہیں اُن کے دوست کسی بخیل دولت مند کے یہاں گئے ۔ اتفاق سے بارش ہونے لگی، میزبان نے پہلے تو پوچھا کوئی بارانی وغیرہ بھی ہمراہ ہے؟ انہوں نے کہا بارش کا حال کس کو معلوم تھا؟ میزبان نے کہا بارش میں سخت دقت ہوگی؟ انہوں نے جواب دیا ـــــ

رکھے خالق سلامت آپ کی ذات — نہ کُھلے گا تو میں رہوں گا رات

اب میزبان کی حالت دگر دگوں ہونے لگی، نوبت بایںجا رسید کہ ۔

کہا اُس نے کہ بھر کے آفتابہ — محل کی جا ضرور میں رکھوا

اور چلتے چلتے مہمان کے کان میں کہہ گئے ـــــ

چاہو جو کچھ کہ اب تماول کو — کہدو بلوا کے اب بکاول کو

اُنہوں نے بکاول سے فرمائش کی تو وہ ۔

بولا تیار تو نہیں ہے کچھہ — جاؤں ڈھونڈوں اگر کہیں ہے کچھہ
تو تو لاؤں ہوں آپ کي خاطر — ورنہ کھاؤ مجھے میں ہوں حاضر

مہمان نے کہا اگر کچھہ تیار نہیں ہے تو سودے سے جنس لے کر کچھہ تیار کر لو - اُس نے جواب دیا اُس کے پاس کیا رکھا ہے - قصاب؟ کونجڑے؟ سقرہ چھن؟ باورچي؟ نان پز؟ شاعر سب کا یہ حال ہے —

اور قصاب بھي جو آوے ہے — چھري بغدا مجھے دکھاوے ہے
جب میں کچھہ کونجڑے سے کہتا ہوں — لہو پي پي کے اپنا رہتا ہوں
بھڑکے ہے مجھسے یوں دو بر در — لیجو ترکاري کي جگہہ کدو
سقرہ چھن دے ہمیشہ یوں گالي — ملیہہ رکھیں چکنا اور شکم خالي
مجھکو باورچي یوں ڈراتے ہیں — رہ ٹھري آش کیا پکاتے ہیں
نان پز کو جو دیکھوں بھر کے نظر — مجھسے کہتا ہے یوں وہ گیدي خر
تیرے مشرف کے گھر لگاؤں گا — اور پلیتھن ترا نکالوں گا
کوئي شاعر جو یوں گذرتا ہے — مہري سي هجو وہ بھي کرتا ہے

دوسروں کا حال یہ ہے -

بسکہ مطبخ میں سردي رہتي ہے — ناک باورچیوں کي بہتي ہے
اُن کے مطبخ سے دور آتھے اگر — سنتے لے دوڑتے ہیں مشکیں بھر
روز باورچي یوں کرے فریاد — کبھي تو کچھہ دو ہمیں ارشاد
کیا تیرے بعد کر کے کھاویں گے — جب کسب اپنا بھول جاویں گے
کرے سو عہد گنبد گردان — نہ تاے اُن کے گھر سے پھر رمضان
الغرض مطبخ اس گھرانے کا — رشک ہے ابدار خانے کا
جس سے طوفان نے کیا تھا ظہور — اُن کي ناني کے گھر کا تھا وہ تنور

مہوبان کے ولي عہد نے اپنے کسي دوست کي ضیافت کي تھي اُس کا یہ حشر ہوا -

چاهتا تھا کرے یہ اُس کو عاق — اور ماں کو بھي اُس کے دیدے طلاق

بارے لوگوں نے آ کے سمجھایا　　تب یہ جورو کے حق میں فرمایا
پتھر اُس کے عوض تو کیوں نہ جنی　　کاش پھنس مرتا واں یہ ناشدنی
یارو مجھ سے تو لا ولد بہتر　　میرا بیٹا اور اس قدر ابتر
اُس کا دادا بھی گرچہ تھا عیاش　　اس سلیقے سے پر کرے تھا معاش
جو کوئی اُس کے گھر میں نوکر تھا　　رات کو اس پہ یہ مقرر تھا
پھرتا وہ ٹکڑے مانگتا گھر گھر　　لاتا آقا کے آگے جھولی بھر
اچھے چن چن کے آپ کھاتے تھے　　برے تنخواہ میں لگاتے تھے

میر ضاحک کی خبر لیتے ہیں -

کنکری چلنے پر ہے اب گذران　　معدہ اُس کا ہے مرغ کا سنگدان
سنگریزے تلک نہ اُس سے بچے　　معدے میں اُس کے تو پہاڑ پچے
گھر میں اب جسکے دیگچہ کھڑکے　　در پر اُسکے یہ بیٹھے یوں اڑ کے
گور سے پھر جو رستم اُٹھکر آئے　　میت اُس کی اُٹھائے یا نہ اُٹھائے
آگ لگ کر کسی کے گھر سے دود　　اک ذرہ بھی گر کرے ہے نمود
لوگ تو دوڑے ہیں بجھانے کو　　دوڑے یہ لے رکابی کھانے کو
اس لئے ہجو خلق کرتا ہے　　گالیاں کھانے تک یہ مرتا ہے
جو اسے میہماں بلاوے ہے　　آفت اپنے وہ گھر پہ لاوے ہے
یہی کہتا پھر اُس کے گھر بیٹھے　　اور کوئی نہ کھانے پر بیٹھے
جب تلک کھانا آوے ہی آوے　　اسی بک بک میں جان کھا جاوے
کھانا آوے تو اس طرح ٹوٹے　　جیسے کوئی کسی کا گھر لوٹے

ایک دن اُن کے ""ممدوح"" کو کسی دوست نے کھانے پر مدعو کیا تھا، جلسے میں لوگ خوش گپیاں کر رہے تھے، اُن کا یہ حال تھا -

جا کے مطبخ پہ یہ پڑا اس طرح　　میں بیان اسکا اب کروں کس طرح
لاٹھیاں لے لے ہاتھ پیر و جواں　　کرتے ہی رہ گئے سبھی ہاں ہاں

گوشت چاول مسالہ ترکاری — سب سمیٹ اُس نے ایک ھي ماری
مطلق اُسنے نہ ماني ڈانت ڈپٹ — رکھہ کے کلے میں کر گیا سب چٹ
جن ہے یا آدمي ھے یا کیا ھے — یا کوئي دیو بوکھلایا ھے
نہیں ڈرتا یہ لاٹھي پاٹھي سے — کیا کرے لاٹھي اُسؔ کي کاٹھي سے
چار کے کاندھے جب یہ جاوے گا — لاشہ کي روٹي کو بھي یہ کھاوے گا

حکیم غوث کے متعلق ارشاد ہوتا ہے -

مملکت ھند میں اب گھر بہ گھر — ہے ملک الموت سے مشہور تر
نسخہ نہ لکھتا کبھو وہ بد سرشت — بھرتي نہ انسان سے دوزخ بہشت
مرتے ھیں اس سے ز بس اب مرد وزن — کھاتے ھیں قرض اُس کے اوپر گور کن

حکیم صاحب کے مطب کا نقشہ بھي ملاحظہ ھو :—

جا کے وہ دیکھے جونہیں وحشت سرا — دل پہ کھلے معلي دارالفنا
چھٹتےھي اک شخص کي دیکھي جونبض — کہنے لگا تجھکو بشدت ہے قبض
کچھہ نہیں کرنے کا بجز اس کے سود — لکھدیا یہ کہہ کے سفوف یہود
اور غذا اُس کو یہ بتلائیے دوست — ماش کي روٹي ہے تو کھا ساگ پوست
صاحب پیچش کو بتایا کتول — واسطے ھیضہ کے لکھا اسپغول
لکھدیا مجنون کو شیر شتر — کہدیا مستسقي کو جا فصد کر
کہنے لگا دیکھہ کے اک اور کو — زخم کو دنبل کے کرانا رفو

ایک جگہہ "فدوي" کي ھجو کي ہے :—

ایک خراسان کیا گو کہ یہ مکہ کو جائیں
جیسے ھي ایدھر سے جائیں ویسے ھي اُودھر سے آئیں
پوچ زبان اُن کي سے شعر تو سرزد ھوا
کاتب بے چارہ مفت لعن کا مورد ھوا
شعر میں شاعر جو ھیں وہ تو تخلص کو لائیں
پر یہ تخلص بغیر نام نہ اپنا جتائیں

آخری شعر سے متعلق سودا نے ایک بقال کي نقل لکھي ھے - کوئي "دیوال بند" کسي بنئے کا مقروض تھا - ادائیگی قرض سے معذور ھو کر بالا خر اس نے ایک سبیل نکالي - دیوال بند نے ایک اُلو پھنسا کر اسي کلغي اور پیحجنی سے مزین کیا اور ھاتھہ پر رکھکر بازار سے گذرا - اتفاقاً بنئے کي نظر پڑگئي' اُس نے پوچھا کیا ھے' انھوں نے جواب دیا باز ھے -

پھر وہ لگا پوچھنے کہہ تو وہ جینوے ھے کیا

ان نے کہا دودہ بھات کچھہ نہ اس کے سوا

مزید تعریف سن کر بنئے نے مول بھاؤ کیا اور رات میں اپنی بیوی "پربھاوتي" سے یوں گویا ھوا -

کرنے لگا جورو سے رات کو یہ مصلحت

سنتی ھے پربھاوتي اس میں ھے کیا تیري مت

پیسے میرے کرج ھیں ایک سپاھي کے پاس

اس سے نکد ملنے کي اب نہیں مجھکو ھے آس

باج بڑا ھی سا ایک دیکھا میں اسکے کنے

اس کو کھریدوں میں اب کال گو جو وہ بنے

بولی بنئیلي یہ سن ادت تجھے کھیر ھے

اسکي رسوئي ھے ماس اس سے ھمیں بیر ھے

سنکے کہا بنئے نے کے کھي تونے یہ بات

ناہ رے پربھاوتی رام کیسوں دودہ بھات

غرض کہ پربھاوتي نے بھي رضا دیدي - ساھو جي "داب بغل میں بھي کان پر رکھہ کر قلم" مرجا جی کے یہاں پہونچے' قرض کا تقاضا کیا' مقروض نے لیت و لعل شروع کي بنئے نے باج کے عوض بھر پائي لکھدینے کی شرط پیش کی جو ایک مختصر قیل و قال کے بعد منظور کرلیگئی - یہ اُلو گھر لائے' پربھاوتي نے کہا'

دیکھہ کے اُن نے کہا اوت تجھے ھے ملوم
یہ تو جناور ھے وہ ترگ کہیں جسکو بوم

آخر میں ساھو جي ""سر اور توند"" کو پیٹ کر بیٹھہ رھے اور اس خیال سے کہ شاید کوئی اور اُلو پھنسے اسے ""کھونتی پہ"" باندہ دیا اور جو کوئي جنس وغیرہ کے متعلق کچھہ دریافت کرتا یہ بالتزام کہتے :-

سب ھے دیا رام کی یہ بھي ھے اُلو بھي ھے

اس مصرعہ کو مرزا نے ""فدوي"" پر چسپاں کیا ھے ؟ یہلے تخلص کے ساتھہ نام جتانے کي مثال بلنئے کي ھے -

ایک دوسرے مقام پر کسي (نام نہاد) درویش نے زیارت کعبہ کا ارادہ کیا ھے - اس کا قصہ سودا کی زبان سے سنئے :-

بجز تسبیح رھتے تھے وہ بے کل　　مصلّے پر سے اُٹھتے تھے نہ اک پل
مریدوں کي ھوئیں پر نور عینین　　کیا جب اُن کے سرمہ خاک نعلین
بلا شک اس کا جنت میں ھو ماوا　　اٹھاوے جو انھوں کا آفتابا
جہاں وہ گاڑ دیتے اپنی مسواک　　لگے تھے ناسپاتي سیب اور تاک
سوار اپنے ھوئے مرکب پہ یہ جب　　مرید اُن کے ھوئے گرد آن کے سب
اُٹھا ھر اک کے عہدہ کو ھوا ساتھہ　　عصا کوئی کوئی لے مورچھل ساتھہ
کوئي لے پیکدان اور کوئی رومال　　کوئي حضرت کے آئے کوئي دنبال
مصلا کوئي سر پر رکھہ کے اُسدم　　چلا صلوات پڑھتا شاد و خرم

سودا بھي ھمراہ ھیں؟ راستہ میں رھزنوں نے قافلہ لوٹ لیا -

کروں کیا آگے اب غارت کي تصریح　　نہ تھے جز دانہ ھائے اشک تسبیح
نہ زاد راہ پاس، اُن کے نہ مرکب　　اب ان سے عزم کعبہ کا بندھے کب
توکل پر چلیں کعبہ یہ کیا ذکر　　انہیں اسباب کي اپني پڑي فکر
کبھي عمامہ کے جانے کا مذکور　　کبھو تھا فکر پیراھن سے دل چور
سلیمانی کی گہہ یاد آتي تسبیح　　ھوئي جاني توی جسکے غم سے تشریح

کبھو کہتے مصلا تھا چکن کا | کہ جس پر تھا چکن کار دکن کا
کبھو کہتے کہ یارو کیا عصا تھا | بڑے حضرت کے میرے ہاتھ کا تھا
کہا کیا پٹکا تھا میری کمر کا | سفر در پیش آیا یہ کدھر کا
عقیق سُرخ کا جو ناسداں تھا | اگر بکتا تو قیمت میں گراں تھا

آخر کار سودا سے مشورہ کیا گیا، انہوں نے کہا :—

چلو گے گھر کو تم اپنے کس اسلوب | ہے اس سے قصد اودھر کا کہیں خوب
کہا حضرت نے سنکر تم ہو گمراہ | نہیں مسئلے مسائل سے کچھ آگاہ
حرم کا فرض ہے مقدور پر طوف | گیا یاں مال آگے جان کا خوف
مرید از بس تھے گھر چلنے پہ مائل | کہا سودا سے باہم ہوکے یکدل
سخن حضرت ہمارے کا ہے معقول | یہیں سے حج انہوں کا ہوگا مقبول
ہوئے تھے صبح جس منزل سے راہی | پھر آئے شام واں ہو کر تباہی

غرض کہ سودا کے کلام میں طعن یا ظرافت کا رنگ کسی نہ کسی حد تک ہر جگہ نمایاں ہے - بعض قصائد میں تو ساری تشبیب اسی پر مشتمل ہے - ایک قصیدہ نواب سرفرازالدولہ حسن رضا خاں بہادر کی مدح میں ہے، مطلع کتنا شوخ اور شگفتہ ہے اور کس درجہ سودا کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے -

صباح عید ہے اور یہ سخن ہے شہرۂ عام
حلال دخترِ رز بے نکاح و روزہ حرام

بعض اوقات ردیف اور قافیہ بھی اُن کی مشکل پسندی اور ظریفانہ جدت طرازی کا آئینہ ہوتا ہے - ایک قصیدہ کا قافیہ اور ردیف سنگ رنگ ڈھنگ، تنگ رنگ ڈھنگ، ڈھنگ رنگ ڈھنگ ہے - اسی ردیف اور قافیہ میں ایک غزل بھی ہے - دوسرے قصیدہ میں لونت پونت، گونت، اکونت، بھوکنت، بھسمنت ، قافیے ہیں -

حضرت امام ثامن علی رضا صلوات اللہ علیہ کی مدح میں ایک قصیدہ

لکھا ہے، جس میں فاخر، مکین اور ان کے اُستاد پر کنایتہ طعن کیا ہے :-

پکڑی جو لٹورے نے کہیں کھیتی سے چڑیا
سمجھا کہ نہیں باز کوئی مجھسا کلاں گیر
یا شب کو بیا گھونسلے میں جگنو کو لاکر
جانے یہ دل اپنے میں کیا ماہ کو تسخیر
مصرعہ میں اگر پشہ معنی ہو قلمبند
زعم اپنے میں سمجھے ہیں کیا پیل کو زنجیر
سمجھیں ہیں کلام اپنا بہ از سورۂ یوسف
معنی جو ہیں سو خواب فراموش کی تعبیر
اُستاد کی ان کے ہے انھوں کو یہ نصیحت
لفظی نہ تناسب ہو تو کچھہ مت کرو تحریر
اتنا تو تلازم رکھو الفاظ کا ملحوظ
بے پنجۂ و ناخن نہ لکھو دودہ کو تم شیر
جب تک کہ نہ منظوم ہو پاسنگ ترازو
باندھو نہ کبھی شعر میں تم لفظ شکم سیر
ملحوظ قرائن رکھو ہر آن نظر میں
مرجع ہو مونث تو ضمیر اسکی ہو تذکیر

اس طعن و طنز کے بعد یوں گریز کی ہے -

سودا تجھے کیا سود جو ابنائے زماں کی
نافہمی و بے ربطی سے کرتا ہے تو تقریر
کر اس کی عوض مدح شہ ہر دوجہاں کی
تا عفو جرائم ترے طالع میں ہوں تحریر

مصحفی کا ایک شعر تھا -

شانہ پہ میرے مہر نبوت نہیں نہیں
کرتا میں صاف دعوی وحی و پیمبری

سودا نے اس شعر پر ہجو میں ایک طویل نظم لکھی ہے جس کا جستہ جستہ اقتباس حسب ذیل ہے ۔

یہ بات جو واہی تو بکا بند کر آنکھیں
اس حرف سے کیا پائے تری شاعری توقیر
تخصیص یہ تجھپر ہے نہیں شانہ پہ جسکے
ہو مہر نبوت کرے دعوی بہ مواہیر
گر عمر طبیعی کو بھی پہونچے تو یقین ہے
پہونچے نہ بلاغت کو تو نابالغوں کے پیر
اے مصحفی جانے ہے تو اپنا جسے دیوان
نفرین خلائق کی ہے گویا کہ وہ جاگیر

کہیں مصحفی نے کہدیا تھا کہ سودا کی صرف اُردو (زبان) صاف ہے ورنہ مضمون کا کہیں گذر نہیں اس کا (انوری ہند) سودا نے جواب دیا ہے ۔

کیا سہل سمجھتا ہے تو اُس صاف زبان کو
گر سات جنم لیوے تو بالفرض ز تقدیر
ویسا نہ ہو یک لفظ زبان سے ترے جاری
پیدا کرے ہرگز نہ ترا نطق وہ توقیر
ہر ایک کو حصہ ہے دیا اُس کے مناسب
قسام نے قسمت کی جو تقسیم کی جاگیر
جس جس کسی کا حوصلہ ظرف تھا جتنا
اُتنا ہی اُسے بادۂ حکمت سے کیا سیر
تجھکو دئے یکسر خزف اس کو گہر و لعل
اور اُس کو دیا آب بقا تجھکو گل قیر

سودا کے بعد انشا اور مصحفی کا نمبر آتا ہے ۔

اُردو طنزیات کی خوش نصیبی سمجھئے یا بدنصیبی ، اس کا عروج لکھنؤ میں ہوا ۔ دہلی پر خزاں طاری تھی ، اور لکھنؤ گہوارہ بہار ۔ دہلی کے نوحہ خواں اگر لکھنؤ میں زمزمہ سنج نظر آئیں تو محل تعجب نہیں دلی والوں کا ٹھکانا اُس وقت لکھنؤ تھا ۔ سودا ، انشا ، مصحفی ، میر ، سب نے ""پورب کے ساکنوں"" کی پناہ پکڑی دلی کے بجائے لکھنؤ کے کوچے ""اوراق مصور"" نظر آنے لگے ۔

انشا اور مصحفی کی چشمکوں سے اُردو کا ایک معمولی طالب علم بھی واقف ہے اس لئے اُن کا تذکرہ غیر ضروری ہے تاہم اُن کے کلام کا تذکرہ کرنے سے پہلے مصنف آب حیات کے ان فقروں کو ملحوظ رکھنا چاہئے ۔

""شہرستان تجارب کے سیر کرنے والے جانتے ہیں کہ جب رواج عام کا راجہ ہولی کھیلتا ہے تو بڑے بڑے معقول وضع دار اشخاص اس کی چھینٹیں فخر سمجھکر سر و دستار پر لیتے ہیں ۔ پس وہ (سید انشا) اور اُن کے معاصر ملک چھوڑ کر کہاں نکل جاتے ۔ یہیں رہنا تھا اور انھیں لوگوں میں رہ کر گذران کرنی تھی ۔ ""

ایک جگہہ اور فرماتے ہیں ۔

""وقت حاکم جابر ہے اور پسند عام اُس کا واضع قانون ہے ۔ اس وقت شاہ و امرا سے لے کر گدا اور غربا تک انہیں باتوں سے خوش ہوتے تھے اور قدر دانی یہ کہ ادنیٰ ادنیٰ نظموں پر وہ کچھہ دیتے تھے جو آج کل کے مصنفوں کو کتابوں پر نصیب نہیں ہوتا ۔ سید انشا اگر یہ نہ کرتے تو کیا کرتے ۔ پیٹ کو کاٹ کر کہاں پھینکدیتے ۔ ہنگامہ ہستی کے جواں مرد اسے بھی ایک قسم کا کمال سمجھتے ہیں کہ کسی رستہ میں درماندہ نہ رہیں ۔ ""

اسی سلسلہ میں ایک واقعہ کا بھی تذکرہ کیا ہے ۔

ایک شعر پر سید انشا اور شیخ مصحفی میں شکر رنجی ہوگئی

اور طبیعتوں کی شوخی نے زبانوں کی بے باکی کے ساتھہ ملکر بڑے بڑے معرکے کئے ـ اس وقت آصف الدولہ شکار میں تھے ـ چنانچہ انھوں نے اپنے لکھنؤ میں نہ ہونے پر ہزاروں افسوس کئے اور بڑے اشتیاق سے ان ہجوؤں کو منگا کر سنا اور اِنعام بھیجے ـ فی الحقیقت ایک ایک مصرعہ ان کا؟ ہنسی اور قہقہوں کا منتر ہے ـ لیکن آج اگر انھیں کوئی لکھہ بھی دے تو عدالت یا انصاف میں مجرم ہو کر جواب دہی کرنی پڑتی ہے ‘‘ ـ

سودا؟ مصحفی اور انشا کی طنزیات؟ دربار اودھ میں عروج کو پہونچ چکی تھیں لیکن زمانہ کا رنگ دیکھئے؟ بقول مصنف آب حیات :ـ

‘‘ مرزا رفیع کی ہجویں ان کی کلیات میں موجود ہیں مگر شیخ مصحفی؟ سید انشا کی ہجویں فقط چند بڈھوں کی زبانوں پر رہ گئی ہیں ـ جن کی نظمِ حیات؟ عنقریب نثر ہوا چاہتی ہیں ـ ’’

اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ صرف سودا ہی کا کلام ایسا تھا جو سال و سنین کا بار اُٹھا سکتا تھا ـ دوسروں کی ہجویں صرف وقت کی چیزیں تھیں اور اسی وقت گِھس پس گئیں ـ

شیخ مصحفی؟ مرزا سلیمان شکوہ کے کلام پر اصلاح دیتے تھے ـ سید انشا لکھنؤ آئے تو اُنھیں کا دور دورہ ہوا ـ شیخ اور سید کے آیندہ معرکوں کی بنیاد یہی تھی ـاکثر غزلوں میں دونوں با کمال؟ دادِ سخن دیتے تھے اور موقع موقع سے ایک دوسرے پر چوٹ بھی کر جاتے تھے ـ شیخ مصحفی نے ایک جلسہ میں غزل پڑھی جس کا مطلع یہ تھا ـ

تھا مصحفی یہ مائلِ گریہ کہ پس از مرگ
تھی اُس کی؟ دھری چشم پہ تابوت میں؟ انگلی

اسي طرح ميں سيد انشا کا ايک شعر تھا ـ

دیکھه اس کي پڑي خاتم ياقوت ميں انگلي

ھاروت نے کی دیدۂ ماروت ميں انگلي

جلسه ختم ھونے کے بعد بے فکروں نے ان غزلوں میں خوب خوب جدّت طرازیاں کیں ـ ایک شعر خصوصیت کے ساتھه قابل ذکر ھے ـ

تھا مصحفی کانا جو چھپانے کو پس از مرگ

رکھے ھوئے تھا آنکھه پہ تابوت میں انگلي

یه گویا طرفین میں "فساد" کا آغاز تھا ـ مصحفی کو اس کی خبر ملی تو اُنھوں نے ایک فخریه غزل تصنیف کي ، جس کے چند اشعار درج ذیل ھیں ـ

اک طرفه خر سے کام پڑا ھے مجھے که ھائے

سمجھے ھے آپ کو وہ مسیحائے شاعري

اے مصحفی ز گوشۂ خلوت بروں خرام

خالي است از برائے تو خود جائے شاعری

ھر سفله را زبان و بیانِ تو کے رسد

آرے توئی فغاني و بابائے شاعري

انشا نے اُس کے جواب میں ھجو کی ایک بحر طویل کہه ڈالي ـ جس کا اقتباس یہاں کچھه ضروري نہیں معلوم ھوتا ـ اسي زمانه میں ایک مشاعرہ ھوا ـ مصحفي نے بھي کچھه اشعار لکھے ، طرح حور کي گردن ، مخمور کي گردن ، رنجور کي گردن تھي ـ سید انشا نے چند اعتراضات کئے ، ساتھه ھي ایک قطعه ، ھجو میں بھی پیش کر دیا ـ کہتے ھیں " مصحفي مسّي ملا کرتے تھے اس لئے دانت سیاہ تھے ، وہ بھي کچھه ھلتے تھے ، کچھه گر پڑے تھے اور بڑھاپے نے اُور شکل بگاڑ دي تھي " انشا کي نظم کے چند اشعار حسب ذیل ھیں ـ

یوں خاطرِ شریف میں گذرا کہ بزم میں

کچلا ہوا شریفہ غزل کو بنائیے

ایسے نجس کثیف قوافي سے نظم میں

دندانِ ریختہ پہ پھپھوندي جمائیے

سرکار کي یہاں نہیں گلنے کي دال کچھہ

روٹي جو کھاني ہوئے تو پنجاب جائیے

خشکا گدھوں کو دیجئے لوزینہ گاؤ کو

واں جا کے بین بھینس کے آگے بجائیے

مصحفي نے بھي اس کا جواب دیا - فیصلہ مصنف آب حیات کي زبان سے سنئے -

"بے شک عام لطف بیان اور خاص طنزوں کے نشتر سید انشا کي ترجیح کے لئے سفارش کریں گے......"

مصحفي کا آفتابِ عمر و دولت لبِ بام تھا - لیکن اُستاد کي رفاقت میں شاگردوں نے عَلم جنگ بلند کیا - ان میں ایک شاگرد گرم تخلص کرتے تھے اور دوسرے منتظر سید انشا نے مشاعرہ میں ایک شعر پڑھا -

آئینہ کي گر سیر کرے شیخ تو دیکھے

سرِ خرس کا منھہ خوک کا لنگور کی گردن

منتظر نے بھي غزل میں انشا پر چوٹ کی ایک مصرعہ تھا -

باندھے دمِ لنگور میں لنگور کي گردن

یہ اشارہ تھا انشا کے ایک مخصوص طرزِ لباس آرائی کي طرف - سید انشا اکثر دوپٹا گلے میں ڈالے رہتے تھے جس کا ایک سرا آگے اور دوسرا پیچھے رہتا تھا - سید انشا نے ایک دوسرا شعر برجستہ کہا -

سفرہ پہ ظرافت کے ذرا شیخ کو دیکھو

سر لون کا منھہ پیاز کا امچور کي گردن

یہ کشا کش طوالت پکڑتی گئی ۔ سید انشا اور مصحفی دونوں اپنے اپنے بوتے اور بساط کے مطابق، فحاشی اور مغلظات پر اُتر آئے۔نوبت یہاں تک پہونچی کہ منتظر اور گرم نے شہدوں اور لچوں کو اُکسایا سید انشا کو ذلیل اور رسوا کرنے کے لئے یہ پورا لشکر روانہ ہوا۔ سید نے کمال فرزانگی سے اِس آفت ناگہانی کو رفت گذشت کر دیا ۔ لیکن اُس کے بعد انشا نے جواب ترکی بہ ترکی دیا ۔ مصنف آب حیات نے اُس کا نقشہ یوں کھینچا ہے :۔

"لیکن پھر سید انشا نے جو اس کا جواب حاضر کیا وہ قیامت کا تھا، یعنے ایک انبوہ کثیر، برات کے سامان سے ترتیب دیا اور عجیب غریب ہجویں تیار کر کے لوگوں کو دیں، کچھہ ڈنڈوں پر پڑھتے جاتے تھے، کچھہ ہاتھیوں پر بیٹھے تھے، ایک ہاتھہ میں گڈا ایک میں گڑیا، دونوں کو لڑاتے تھے، زبانی ہجو پڑھتے جاتے تھے جس کا ایک شعر یہ ہے

سوانگ نیا لایا ہے دیکھنا چرخ کہن

لڑتے ہوئے آئے ہیں مصحفی و مصحفن"

انشا اور مصحفی کی ہنگامہ آرائیوں پر آزاد کا قول فیصل یہ ہے :۔

"سید انشا کی طبیعت کی شوخی اور زبان کی بیباکی، محتاج بیان نہیں ۔ بہت سی رذیل اور فحش ہجویں لکھیں کہ جن کا ایک ایک مصرعہ، ہزار قمچی اور چابک کا طراقا تھا۔ بڈھا بیچارہ بھی اپنی شیخی کی جریب اور عصائے غرور کے سہارے سے کھڑا ہوکر جتنا کمر میں بوتا تھا مقابلہ کرتا رہا ۔ "

سید انشا کے بارہ میں مولوی عبدالباری صاحب، آسی نے اپنی مشہور تصنیف "تذکرۂ خندۂ گل" میں فرمایا ہے ۔

"...... وہ خلقۃً نہایت ظریف، ہشاش بشاش واقع ہوئے تھے ۔ اکثر تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ درباری شاعر یا نوابی دربار کی

مصاحبت کی وجہ سے انھیں ظرافت کي ضرورت پڑتي تھی ۔ مگر میں اس کے خلاف ھوں ۔ حقیقت یہ ھے کہ اگر وہ درباري مصاحب اور شاعر بھي نہ ھوتے تب بھي ایسے ھي ظریف ھوتے ۔ اب دیوان کو دیکھئے تو ضرورت اور بے ضرورت ؛ جا اور بے جا؛ سب جگھہ ان کے تمسخر اور مزاح کی شان موجود ھے . . . . . . حقیقت یہ ھے کہ انشا ؔ ظرافت ھی کے لئے پیدا ھوئے تھے اور اگر وہ ظرافت ھي کہتے؛ تب بھي اُن کا علم و فضل اُتنا ھي مسلم ھوتا جتنا آج ھے ۔ اُن کی ظرافت کے اقسام گنانا ؔ ایک قسم کی دانستہ غلطي کرنا ھے ۔ جو شخص بات بات میں ظرافت کے دریا بہائے کوئي کہاں تک اس کا اندازہ کر سکتا ھے - پھر بھي ریختي کو اُن کے ظریفانہ انداز کا سب سے بڑا نمونہ سمجھئے ۔ ‘‘

طنزیات کے ذیل میں اگر ریختي کو بھي داخل کر لیا جائے تو اس سلسلے میں رنگین ؔ انشا اور جان صاحب خصوصیت کے ساتھہ مشہور ھیں - اُن کے کلام ( ریختي ) کا جستہ جستہ اقتباس (از تذکرۂ خندۂ گل منقولۂ صدر ) نذر ناظرین ھے ۔

---

میرزا سعادت یار خاں؛ رنگین :-

کروں میں کہاں تک مدارات روز
تمہیں چاھئے ھے وھي بات روز
گئے ھیں مرے گھر میں سب تجھہ کو تاڑ
کیا کر نہ رنگیں ؔ اشارات روز

---

مجھہ کو اُس بات کا نہیں ھَوکا
بندي رکھتي ھے گاہ گاہ کا شوق

گر کہے گی مجھسے کچھہ منہہ پھوڑ کر باجي تو پھر
تھنڈي کرڈالونگي میں ہانھونکي ساري چوڑیاں

---

جو ہوني تھي سو بات ہو لي کہارو
چلو لے چلو میری ڈولي کہارو
ذرا گھر کو رنگیں کے تحقیق کر لو
یہاں سے ہے کے پیسے ڈولي کہارو

---

تجھسے جب تک نہ ملي تھي مجھے کچھہ دکھہ ہي نہ تھا
ہاتھہ ملتي ہوں بڑي بات کو کیوں مان گئي
بولے وہ آؤگے کب میں نے تب ان سے یہ کہا
بلدي ہرگز نہیں اب تک کہیں مہمان گئي

---

ہر مہینے میں کرھاتے تھے مجھے پھول کے دن
بارے اب کے تو مجھے ٹل گئے معمول کے دن

---

تھوکتا بھي تو نہیں ہے مردوا اسکو کوئي
اتنا اتراتي ہے جوبن پر ددا کس واسطے
ریختي کہني اجي رنگیں کي یہ ایجاد ہے
منہہ چڑاتا ہے موا انشاء جیا کس واسطے

---

سید انشا اللہ خاں انشا —

مجھہ سے نہ اُڑ زناخي تو رات کو کہیں تھي
چھپتا ہے رنگ کوئی ایسي ملي دلي کا

هاتھوں سے تیری میں تو کمبخت عاجز آئی
جو کام ہے نگوڑا تیرا سو ہلبلی کا

---

تھام تھام اپنے کو رکھتی میں بہت سا لیکن
کیا کہوں تھم نہیں سکتا میرا اندر والا

---

کچھہ تجھے شرم بھی ہے بیٹھہ پرے او کمبخت
تاڑ جاوینگے برے لوگ ارے او کمبخت

---

کوئی چاہت میں کسی شخص کے بدنام ہو نوج
اے ددا جان وہ کمبخت برا کام ہو نوج
مردوا سمجھے کہے ہے چلو آرام کریں
جس کو آرام وہ سمجھے ہے وہ آرام ہو نوج
دن دہاڑا ہی رہے ؟ جی تو بچے اے انشا
کلموہی کالی بلا ہائے وہ پھر شام ہو نوج

---

باجی تم چاہتی ہو بندی سے جیسا اخلاص
اجی دو کواریوں میں نوج ہو ایسا اخلاص

---

پھر جو کچھہ بول اُٹھوں میں تو یہ طعنے دوگے
قہر ایسا نہ کرو تم ابھی بن بیاہی ہو

---

میر علی یار جان (جان صاحب)

وہ تھے اُستاد، اُن سے جان صاحب تجھکو کیا نسبت
کیا پر نام روشن ریختی نے تیری نسبت کا

چپکے رہنے میں تھا حرام وہ کام
ایک دو بولوں میں حلال ہوا

---

مردوے کھاتی ہوں میں تمہسوں کلاموں کی قسم
تیرے بن پوچھے گئی ہوں میں جو اکبار کہیں
جا کے سسرال میں دولھا سے صنم خانم تم
پہلے ہی روز نہ کر بیٹھیو اقرار کہیں

---

نہ دیکھہ دولھا کو ساس نندوں کے آگے گھونگھٹ اُٹھا اُٹھا کر
نئی نویلی دلھن ہے بچی ابھی تو دو چار دن حیا کر

---

نامرد ہے؟ نہ جورو سے اب تک خبر ہوا
قربان اس حیا کے؟ بوا سال بھر ہوا

---

مجھے نفرت ہے صورت سے نگوڑے جان صاحب کی
وہ اسکی شکل کیا ہے اے بوا قربان کی صورت

---

نہ جاؤ تم؟ پڑو چولھے میں؟ بھیجو میرے بھائی کو
لگی ہیں درد؟ مرتی ہوں؟ بلا لائے وہ دائی کو

---

بامھن یہ مجھسے کہتا ہے پوتھی بچار کے
پھندے میں تم پھنسوگی بس اب تین چار کے

---

اُس کے بعد غالب کے "باغ و بہار" رقعات سامنے آتے ھیں - جہاں تک نثر اُردو کا تعلق ھے برجستہ اور بے تکلف ظرافت کے اولین نمونے ھم کو غالب کے رقعات میں ملتے ھیں - طنز اور ظرافت کی داغ بیل ؟ سب سے پہلے اُردو نثر میں غالب نے ڈالی اور یہ پیش خیمہ تھا "اودھ پنچ" کی زعفران زار نظم و نثر کا ؟ جس کا تذکرہ آیندہ صفحات میں آئے گا -

رقعات غالب ---

"پیر و مرشد! ۱۲ بجے تھے - میں ننگا اپنے پلنگ پر لیٹا ھوا حقہ پی رھا تھا کہ آدمی نے آ کر خط دیا؟ میں نے کھولا؟ پڑھا ؟ بھلے کو انگرکھا یا کرتا گلے میں نہ تھا - اگر ھوتا تو میں گریبان پھاڑ ڈالتا - حضرت کا کیا جاتا؟ میرا نقصان ھوتا......... پانچ لشکر کا حملہ پے بہ پے اس شہر پر ھوا ؟ پہلا باغیوں کا لشکر ؟ اس میں اھل شہر کا اعتبار لٹا - دوسرا لشکر خاکیوں کا ؟ اس میں جان و مال و ناموس و مکان و مکین و آسمان و زمین ؟ آثار هستی سراسر لٹ گئے - تیسرا لشکر کال کا؟ اس میں ھزارھا آدمی بھوکے مرے - چوتھا لشکر ھیضے کا ؟ اُس میں بہت سے پیٹ بھرے مرے - پانچواں لشکر تپ کا ؟ اُس میں تاب و طاقت عموماً لٹ گئی - "

مرزا علاءالدین خاں کے نام -

"سنو عالم دو ھیں ایک عالم ارواح اور ایک عالم آب و گل......
ھر چند قاعدۂ عام یہ ھے کہ عالم آب و گل کے مجرم ؟ عالم ارواح میں سزا پاتے ھیں - لیکن یوں بھی ھوا ھے کہ عالم ارواح کے گنہگار کو دنیا میں بھیج کر سزا دیتے ھیں - چنانچہ ۸ رجب ۱۲۱۲ ھجری کو مجھہ کو روبکاری کے واسطے یہاں بھیجا - ۱۳ برس حوالات میں رھا - ۱۷ رجب

۱۲۳۵ ھجري کو ميرے واسطے حکم دوام حبس صادر ہوا ، ايک بيڑي ميرے پاؤں ميں ڈال دي اور دلي شہر کو زندان مقرر کيا اور مجھے اس زندان ميں ڈالديا ـ نظم و نثر کو مشقت ٹھہرايا ـ برسوں کے بعد ميں جيل خانہ ميں سے بھاگا ، تين برس بلادِ شرقيہ ميں پھرتا رہا پايانِ کار مجھے کلکتہ سے پکڑ لائے اور پھر اسي محبس ميں بٹھا ديا جب ديکھا کہ يہ قيدي گريز پا ہے ، دو ہتکڑياں اور بڑھاديں ، پاؤں بيڑيوں سے فگار ، ہاتھہ ہتکڑيوں سے زخمدار ، مشقت مقرري اور مشکل ہوگئي ـ طاقت ، يکقلم زائل ہوگئي ـ بےحيا ہوں سال گذشتہ بيڑي کو زاويہ زندان ميں چھوڑ ، مع دونوں ہتکڑيوں کے بھاگا ........ کہ پھر پکڑ آيا ـ اب عہد کيا کہ پھر نہ بھاگوں گا ـ بھاگوں کيا ، بھاگنے کي طاقت بھي تو نہ رہي ـ حکم رہائي ديکھئے کب صادر ہو ـ ايک ضعيف سا احتمال ہے کہ اسي ماہ ذالحجہ ۱۲۷۷ ھجري ميں چھوٹ جاؤں' پھر تقدير بعد رہائي کے تو آدمي سوائے اپنے گھر کے اور کہيں نہيں جاتا ـ ميں بھي بعد نجات ، سيدھا عالم ارواح کو چلا جاؤں گا ـ ""

---

"" مياں ! کس حال ميں ہو ' کس خيال ميں ہو ـ کل شام کو ميرن صاحب روانہ ہوئے ـ يہاں ان کي سسرال ميں قصے کيا کيا نہ ہوئے ـ ساس اور ساليوں نے اور بي بي نے آنسوؤں کے دريا بہا دئے ـ خوشدامن صاحبہ بلائيں ليتي ہيں ـ ساليان کھڑي ہوئي دعائيں ديتي ہيں ـ بي بي مانند صورتِ ديوار چپ ـ جي چاہتا ہے چھٹنے کو مگر ناچار چپ ـ وہ تو غنيمت تھا کہ شہر ويران ' نہ جان نہ پہچان ورنہ ہمسايہ ميں قيامت برپا ہوجاتي ـ ہرايک نيکبخت اپنے گھر سے دوڑي آئي ـ امام ضامن عليہ السلام کا روپيہ بازو پر باندھا ـ ۵ روپئے خرچ راہ دئے مگر ايسا جانتا ہوں کہ ميرن صاحب

اپنے جد کی نیاز کا روپیہ ، راہ ہی میں اپنے بازو سے کھول لیں گے اور تم سے صرف پانچ روپیے ظاہر کریں گے - اب سچ جھوٹ تم پر کھل جائے گا . . . .''

''سید صاحب اچھا ڈھکوسلا نکلا ہے' بعد القاب کے شکوہ شروع کردیتا۔ حضرت کا پتہ نہیں - ظاہرا برسات نے آنے نہ دیا۔ برسات کا نام آگیاسو پہلے تو مجملاً سنو ؟ ایک غدر کا لوں کا ، ایک ھنگامہ گوروں کا ؟ ایک فتنہ انہدام مکانات کا ، ایک آفت وبا کی ، ایک مصیبت کال کی - اب یہ برسات ، جمیع حالات کی جامع ہے - آج اکیسواں دن ہے' آفتاب اِسطرح نظر آجاتا ہے جسطرح بجلی چمک جاتی ہے - رات کو کبھی کبھی اگر تارے دکھائی دیتے ھیں تو لوگ اُنکو جگنو سمجھہ لیتے ھیں مبالغہ نہ سمجھنا ، ھزارھا مکان گر گئے ، سیکڑوں آدمی ، جا بجا دب کر مرگئے - گلی گلی ندی بہہ رھی ہے - قصہ مختصر وہ اَنّ کال تھا کہ مینہ نہ برسا ، اناج نہ پیدا ھوا - یہ پن کال ہے'پانی ایسا برسا کہ بوئے ھوئے دانے بہ گئے.........

''...سنو صاحب! شعرا میں فردوسی' اور فقرا میں حسن بصری' اور عشاق میں مجنوں' یہ تین فن میں سر دفتر اور پیشوا ھیں - شاعر کا کمال یہ ہے کہ فردوسی ھوجائے - فقیر کی انتہا یہ ہے کہ حسن بصری سے ٹکر کھائے - عاشق کی نمود یہ ہے کہ مجنوں کی ھم طرحی نصیب ھو - لیلی اس کے سامنے مری تھی' تمہاری محبوبہ تمہارے سامنے مری بلکہ تم اس سے بڑھکر ھوئے کہ لیلی اپنے گھر میں اور تمہاری معشوقہ تمہارے گھر میں مری - بھئی! مغل بچے بھی غضب ھوتے ھیں جس پر مرتے ھیں اُسکو مار رکھتے ھیں - میں بھی مغل بچہ ھوں - عمر بھر میں ایک بڑی ستم پیشہ ڈومنی کو میں نے بھی مار رکھا ہے - خدا اُن دونوں کو بخشے اور ھم تم دونوں کو بھی ....''

''مرزا صاحب! ھم کو یہہ باتیں پسند نہیں ۶۵ برس کی عمر ہے -

پچاس برس عالمِ رنگ و بو کی سیر کی ہے ۔ ابتدائے شباب میں ایک مرشد کامل نے نصیحت کی ہے کہ ہم کو زہد و ورع منظور نہیں، ہم مانع فسق و فجور نہیں ۔ پیو کھاؤ مزے اڑاؤ ۔ مگر یہہ یاد رہے کہ مصری کی مکھی بنو، شہد کی نہ بنو ۔ میرا اِس نصیحت پر عمل رہا ہے کسی کے مرنے کا وہ غم کرے جو آپ نہ مرے ۔ کیسی اشک فشانی، کہاں کی مرثیہ خوانی، آزادی کا شکر بجا لاؤ ۔ غم نہ کھاؤ اور اگر ایسے ہی اپنی گرفتاری سے خوش، ہو تو چناجان نہ سہی منا جان سہی ۔ میں جب بہشت کا تصور کرتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ اگر مغفرت ہو گئی ۔ ایک قصر ملا اور ایک حور ملی ۔ اقامت جاودانی ہے اور اِسی ایک نیک بخت کے ساتھہ زندگانی ہے ۔ اِس تصور سے جی گھبراتا ہے اور کلیجہ منہ کو آتا ہے ۔ ہے ہے وہ حور اجیرن ہوجائیگی ۔ رہی زمردیں کاخ اور وہی طوبیٰ، کی ایک شاخ، چشم بد دور وہی ایک حور، بھائی ہوش میں آؤ کہیں اور دل لگاؤ ۔۔۔۔۔۔۔۔"

---

" وہ مزے یاد آگئے کیا کہوں جی پر کیا گزری بقول شیخ علی حزیں

تا دسترسم بود زدم چاک گریباں + شرمندگی از خرقہ پشمینہ ندارم

جب داڑھی مونچھہ میں سفید بال آگئے تیسرے دن چیونٹی کے انڈے گالوں پر نظر آنے لگے ۔ اس سے بڑھکر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے ناچار مسی بھی چھوڑ دی اور داڑھی بھی ۔ مگر یہ اور کہئے کہ اس بھونڈے شہر میں ایک وردی ہے عام، ملا، حافظ، بساطی، نیچہ بند، دھوبی، سقہ، بھٹیارہ، جولاہہ، کنجڑہ منہہ پر داڑھی سر پر بال ۔ فقیر نے جس دن داڑھی رکھی اسی دن سر منڈایا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

اودھ پنچ (لکھنئو) نے سنہ ۱۸۹۷ء میں "زبان اور ظرافت کے چہرے سے نقاب اُٹھائی" اودھ پنچ کے اودوں میں سے منشی سجاد حسین، پنڈت رتن ناتھہ سرشار، مرزا مچھو بیگ ستم ظریف، پنڈت تربھون ناتھہ ھجر، نواب سید محمد آزاد، مولوی سید محمد عبدالغفور شہباز، منشی جوالا پرشاد برق، منشی احمد علی شوق، سید اکبر حسین، مولوی احمد علی کسمنڈوی کا نام خصوصیت کے ساتھہ لیا جاتا ھے اس میں شک نہیں کہ پنچ، ظرافت کا علمبردار تھا اور ظرافت کے اس بے پناہ آلہ نے زندگی کے کسی شعبہ کو اپنے وار سے محفوظ نہ رکھا ۔ اُردو ادب میں اودھ پنچ، اپنے قسم کا اولین پرچہ تھا اور اکثر حیثیت سے وہ ظرافت وطنزیات کے رائج الوقت معیار کا بہترین ترجمان تھا، اس سلسلے میں بے موقع نہ ھوگا اگر پنڈت برج نرائن، چکبست آنجہانی کے وہ خیالات بھی ھدیۂ ناظرین کئے جائیں جو گلدستۂ پنچ میں شایع ھوئے ھیں ، فرماتے ھیں :۔

اودھ پنچ لکھنئو کا عہد

"قوموں کے مذاق سلیم نے جو ظرافت کا اعلیٰ معیار قائم کیا ھے اس کو دیکھتے ھوئے ھم اودھ پنچ کی ظرافت کو بحیثیت مجموعی اعلیٰ درجہ کی ظرافت نہیں کہہ سکتے ۔ لطیف ظرافت اور بذلہ سنجی و تمسخر میں بہت فرق ھے ۔ اگر لطیف و پاکیزہ ظرافت کا رنگ دیکھنا ھے تو اُردو زبان کے عاشق کو غالب کے خطوں پر نظر ڈالنا چاھئے ....... اودھ پنچ کے ظریفوں کی شوخ و طرار طبیعت کا رنگ دوسرا ھے ۔ اُن کے قلم سے پھبتیاں ایسی نکلتی ھیں جیسے کمان سے تیر ....... جو مظلوم ان تیروں کا نشانہ ھوتا ھے روتا ھے اور دیکھنے والے اس کی بیکسی پر روتے ھیں ۔ ان کے فقرے دل میں ھلکی سی چٹکی نہیں لیتے ھیں بلکہ نشتر کی طرح تیر جاتے ھیں ۔ ان کا ھنسنا، غالب کی زیر لب مسکراھٹ

سے الگ ہے - یہ خود بھی نہایت بے تکلفی سے قہقہے لگاتے ہیں اور دوسرے کو بھی قہقہے لگانے پر مجبور کرتے ہیں - ؟؟

یہ سب صحیح، لیکن اُس عہد کو مد نظر رکھئیے جب اودھ پنچ، عالم وجود میں آیا ؟ اُردو کس رنگ میں تھی ؟ اُردو لکھنے والے کس رنگ کے تھے ؟ وہ فضا کیا تھی، سوسائٹی کا کیا رنگ تھا، پنچ پھر پنچ تھا اسپکٹیٹر نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا، بایں‌ہمہ پنچ کے علمبرداروں میں ہر قسم کے لوگ تھے۔ وہ لوگ بھی تھے جو خود قہقہہ لگاتے تھے اور دوسروں کو بھی قہقہہ لگانے پر مجبور کرتے تھے اور ایسے افراد بھی تھے جن کو ایک طرف مسکرانے میں بھی تامل ہوتا تھا لیکن دوسری طرف سننے اور دیکھنے والے ہنستے ہنستے لوٹ جاتے تھے ان واقعات اور حالات کو دیکھتے ہوئے، جن کے ماتحت اودھ پنچ عالم وجود میں آیا ، یہ حکم لگانا یقیناً قرین انصاف ہے کہ اودھ پنچ نے بحیثیت مجموعی اچھی اور ہر قسم کی طنز اور ظرافت کا نمونہ پیش کیا - قہقہہ لگانا ، یا محض تبسم زیر لبی پر اکتفا کرنا ؟ یا ایسا کرنے پر مجبور ہونا ؟ ظرافت یا طنز کی نوعیت پر اتنا منحصر نہیں ہے ، جتنا یہ چیزیں خود پڑھنے یا سننے والے کے ذوق اور ظرافت طبع پر منحصر ہیں- ایک پر لطف یا معنی خیز فقرہ پر بد مذاق ایسے بے ہنگام قہقہے لگا سکتا ہے جس سے بقیہ لطف اندوز ہونے والے، ہمیشہ کے لئے ہنسنے بولنے سے تائب ہو جائیں دوسری طرف ایک صاحب ذوق اس طور پر مزے لے سکتا ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو - اکبر اور آزاد کے ادبی کارنامے، اس نظریہ کی بطریق احسن ترجمانی کرتے ہیں-آزاد پھر بھی کبھی کبھی کھل کھیلتے تھے لیکن اکبر کے قدم کو کہیں ایسی لغزش نہیں ہوئی اور ہوئی بھی ، تو وہ جائز حدود سے آگے نہیں بڑھی -

پنچ کا یہ دور بالکل قدرتی تھا - مغربیت کا سیلاب بڑھتا چلا رہا تھا - مشرق کو زوال نصیب ہو چکا تھا - اس لیے طبایع ہر اس

چیز سے بیگانہ یا متنفر تھیں جس میں مشرقي آب و رنگ کي جھلک ہوتي - دوسري طرف ھر اُس چیز کو قبول کرنے کے لیے آمادہ تھیں جن میں مغرب کي چاشنی ہوتي - پنچ نے ایک طرف اُن حیثیات سے بغاوت کي جو مشرق کے لیے باعث ننگ اور اس کي تباھي کا موجب تھیں - دوسری طرف اس نے اس کورانہ تقلید کے خلاف علم جہاد بلند کیا جس کی بنا پر لوگ دیوانہ وار مغرب کی پذیرائی اور پرستش کر رہے تھے- س میں شک نہیں بعض مواقع پر مثلاً گلزار نسیم کا مناقشہ ایسا ہے جس کا مذاق سلیم بمشکل متحمل ہو سکتا ہے بایںھمہ محض خسوف و کسوف کي بنا پر مہر و ماہ کو' کب تاریک کہا جا سکتا ہے -

بقول مرتب گلدستہ پنچ' منشی محمد سجاد حسین (۱۸۵۶-۱۹۱۵ ع مشہور اڈیٹر اودھ پنچ ) نے' بلا کی شوخ طبیعت پائي تھی - بذلہ سنجی و ظرافت تو گویا مزاج کا خمیر تھي "

مسٹر گلیڈ اسٹن کو لکھتے ہیں ( " کھلے خط اور سر بستہ مضامین '')

" مولوي گلیڈ اسٹن صاحب طولعمرہ - دعائے خیر نصیب شما باد ! ایسے زمانہ میں' جبکہ چارونطرف سے ہوائے شر و فساد' ھر ملک سے مسموم بغض و عناد کے جھونکے آ رہے ہیں تمہارے حق میں اس سے بڑھکر مناسب' دنیا میں شاید ھي کوئي اور دعا ہو...... ...اوپري لیمس پوت کے واسطے تمھاري ذات مخصوص ہے - مگر اس کے لوازم اور مسالوں کي فراھمي اور ترکیب سے تم ایسے محروم جیسے ھندوستاني' جودت سے - تم پولیٹکل دسترخوان کے اچھے خانساماں اور ہوشیار خدمتگار ہو - پکا پکایا کھانا' طیار ھانڈي' تم خوبی سے چن سکتے ہو - مگر ھانڈي

پکانے اور چیز تیار کرنے کے نام سے خاک دھول بکائن کے پھول - تم نہیں جانتے کہ طرح طرح کے کھانوں کے واسطے کون کون مسالا کیونکر پیسا اور ترکیب دیا جاتا ہے - کبابوں میں کس چیز سے گلاوٹ آتی ہے - پلاؤ کو دم کیسے دیتے ہیں - فارن پالیسی کا مزعفر اور متنجن' کیونکر خوشگوار چاشنی پیدا کرتا ہے - کہتے ہیں جو کوئی چھچھوندر مار ڈالتا ہے اُس کے ہاتھ سے لذت جاتی رہتی ہے - شاید ایسا ہی ہوا ہو - مگر اب یہ ضرورت بیشک معلوم ہوتی ہے کہ پہلے اچھا باورچی اور رکابدار سب تیار کر لے - پھر دستر خوان لگانے اور خاصہ چلنے کے لیے تم بلائے جاؤ ''

,, پیارے کارسپانڈنٹ کا پیارا خط' پیارے سالے کے نام ''

,, میرے پیاری جورو کے عزیز بھائی '' خدا تم کو نیک راہ پر چلائے جس میں تمھاری بہن پژمردہ رہکر مجھکو پریشان نہ رکھا کریں - افسوس تمھاری بیکاری اور اس پر شادی کی خواستگاری - تمھاری بہن کو تو بڑی خوشی ہے کہ ایک پیاری' تربیت یافتہ بھاوج ملیگی مگر بھائی میں ایک سلہج ملنے کی آرزو میں سالے کو برباد کرنا پسند نہیں کرتا...... رہی یہ بات کہ دنیا میں شادی ایک ضروری فعل ہے - خدا کی ودیعت اس سے بڑھتی ہے........ مگر یہ تو تب ہی ہونا چاہئے' جب پہلی کا وقت گذرا جاتا ہو اور دوسری میں فتور پڑتا ہو .. .... دو برس اور کالج نہ چھوڑو - بی - اے اور ایل ایل بی - پاس کر لو.... رات دن پڑھنے کی جگہہ' کچہری اور سونے کے کمرے میں اپنے اور بی بی دونوں کے پیٹ بھرنے کی کوشش کرو - دیکھو کیسا جلد دولت والے - گھر والے - خدا کی قدرت ظاہر کرنے والے - اس کی ودیعت بدیعت کے بڑھانے والے مشہور ہو جاؤگے - اور اس حالت میں تو میں ہرگز شادی کرنے کی صلاح نہ دونگا - تمھارے تو باپ کی بھی دولت نہیں ہے

اور ہوتی تب بھی میں باپ کی قوت پر شادی کی صلاح نہ دیتا ''

---

'' نیچر کا مارشل لا ''

'' .........جس طرح ہماری سرکار' درندہ جانور پر' نر کی بہ‌نسبت مادہ مارنے سے دونا ڈیوڑھا انعام دیتی ہے کیونکہ وہ تو پیدائش کی جڑ ہے ۔ اسیطرح حضرت عزرائیل نے عورتوں پر چھری پھیرنا شروع کر دی کہ نہ یہ ہونگی نہ انسان' برسات کے مینڈکوں کی طرح' گلی کوچوں میں کچھ کچا کے پیدا ہوگا' نہ مردم شماری کے نقشے آئے دن غلط ہوا کریں‌گے ۔ آپے ایک دفعہ نقشہ بھر لیا ۔ سو دو سو برس کو کافی ہے کبھی کبھی جانچ کرلی ۔ فوتی قرأری کا نام نکلڈالا' یہ روز کا قلم جاری رہنا تو موقوف ہوگا '' ۔

---

پنڈت تربھوون‌ناتھہ سپرو' ہجر ۔

محترم‌الحرام :—.........بھئی لکھنو کا بھی محرم یاد رہےگا ۔ ہم خرما و ہم ثواب ۔ دنیا اور عقبیٰ دونوں کے فائدے ۔ زیارتوں میں قندمکرر کی حلاوت ۔ روحانی اور جسمانی دونوں لذتیں.....بی حیدرجان کے سوز نے کیا کیا چھوتیں لی ہیں کہ واہ جی واہ ۔ وہ رکھب گندھار لڑتی ہوئی تیپ کی تانیں تھیں کہ سبحان اللہ سبحان اللہ ۔ ایک ہی مصرعہ کی تقسیم میں ملتانی' سری راگ اور بھیرویں کی چھاؤں دکھائی دی اور پھر کیا مجال کہ پڑھتے وقت چہرے پر شکن آتی ۔ ایسا گلے کا لوچ اور آواز میں سوز وگداز دیکھا نہ سنا......''

منشی جوالا پرشاد' برق (البرٹ بل)

"........پیارا بل ہاتھ، سے بے ہاتھ ہوگیا ۔ اس کی پیدائش پر کیا کیا ناز تھے ۔ اس کے والدین نے اسے کیسے کیسے لاڈ سے پالا........ سوتیلی ماں کے پالے پڑا ۔ ماں باپ ہاتھ مل کر رہ گئے........جن پر ہمیں بھروسا تھا' جو ہماری خیرخواہی کا دم بھرتے تھے' وہی دغا دے گئے ۔ وقت پر نکل کھڑے ہوئے ۔ کاندھا ڈالدیا ۔ گویا ہم بیچو بیچ سمندر میں ایک ٹاپو پر اُترے تھے ۔ کھانا پکایا دستر خوان بچھایا ۔ جیسے ہی کھانے کو ہاتھ بڑھایا کہ دفعتاً جزیرہ ہلنے لگا اور دم کے دم میں سب غڑاپ سے سمندر میں ۔ افوہ دھوکا ہوا تھا ۔ وہ جزیرہ نہ تھا ۔ وہیل مچھلی کی پشت تھی.........."

---

مغرب اور مغربیت کے خلاف' نواب آزاد نے جس معقول اور دلنشین پیرایہ میں طنز کی ہے اس کا جواب' بحیثیت مجموعی اردو ادب میں ملنا دشوار ہے ۔ آزاد کی طنز و ظرافت میں جو چیز نہایت نمایاں اور بامزہ ہے وہ ان کی خلقی شگفتگی ہے ۔ کینہ پروری اور زہر ناکی کا عنصر کہیں نمایاں نہیں ہے ۔ اس اعتبار سے ان کو اُردو ادب کا ہوریس اور چاسر کہنا نا موزوں نہ ہوگا آزاد نے ہندوستان کے سیاسی اور معاشرتی رجحانات پر نہایت جامع طریق سے اظہار خیال کیا ہے ۔ ان کی طنز اور ظرافت' اتنی صحیح اور جامع' اور ادب و انشا کے صحیح معیار کی اس درجہ حامل ہیں کہ ان کے بقائے دوام پر دو رائیں ہونا تقریباً نا ممکن ہے ۔ بایںہمہ اس سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا کہ نواب آزاد کی تحریریں' اکثر کافی حد تک عریاں ہیں اور کہیں کہیں تبسم زیرلبی کے بجائے' دانتوں تلے اُنگلیاں بھی دبانی پڑتی ہیں اُن کے مضامین کے جستہ جستہ اقتباسات درج ذیل ہیں۔

نواب سید محمد آزاد، آئی، ایس، او :—

نواب آزاد، اپنی عفت بیگم کو نئی روشنی کی تلقین فرماتے ہیں -

"میں تو یہاں پڑھنے آیا ہوں - مگر کیا خاک کتاب دیکھوں کوئی آن، کوئی وقت، کوئی لحظہ بھی تو آئینۂ خیال کسی پری‌وش کے جلوہ سے خالی نہیں رہتا- جب کسی فرنگن کی واٹرسلک کی گون پر آنکھ پڑ جاتی ہے - مجھے تمہارا گرنٹ کا پائجامہ کس نفرت سے یاد آتا ہے - جب کسی کی میم کو دوسرے صاحب کے ساتھ بے تکلفانہ ناچتے کودتے دیکھتا ہوں، تمہاری شرم ایک تیر کی طرح دل کے پار ہوجاتی ہے - جب کسی معزز لیڈی کو بیف کے ٹکڑے پر ہاتھ صاف کرتے دیکھتا ہوں تمہارا چپاتیوں کو حنائی انگلیوں سے کھٹکنا یاد آتا ہے اور کیا جی گھبراتا ہے ......... یہاں کی عورتیں، واللہ عورتیں نہیں ہیں تمہارے لکھنؤ کی بیگمیں نہیں ہیں کہ بھوت کا قصہ سنکر ڈریں، شیر کے نام سے کانپ جائیں - توپ کے آواز سے تھر تھرانے لگیں ......... ایک چپاتی کھانے پر غرور کریں، حضرت عباس کی درگاہ تک جانے کو حج کا سفر جانیں - دوران انگلستان ایک دم میں پرانے بھوت سر سے اُتار دیں ......... شیروں کے شکار کا تماشا دیکھنے جاتی ہیں - موقع اور محل سے ہاتھی پر بیٹھکر گولی بھی لگاتی ہیں ......... سیر کرنے روم اور جزائر اور سوئٹزرلینڈ کے پہاڑوں پر، مرد احباب کے ساتھ بلکہ اکثر اوقات تنہا بھی چلی جاتی ہیں ......... اپنے شوہروں کو وطن میں چھوڑ کر عجائبات روزگار دیکھنے، دور دراز ملکوں میں چلی جاتی ہیں اور اپنے تجربہ کو پختہ کرتی ہیں - بڑے بڑے لال کلّے اور سفید کلّے والے سفیروں سے ڈٹ کر ہاتھ ملاتی ہیں ......... کسی کے مرجانے سے برسوں لباس سیاہ پہنکر پیتی کھاتی اور ناچتی گاتی اور اس کی روح کی دعوت میں مصروف رہتی ہیں ......... عمر بھر پارسا

بلکہ گرجوں میں پادري صاحبوں کے ہاتھہ پر صبح و شام توبہ کرتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔اگر میں تم کو ساتھہ لاتا' تو سارا لندن تمہارا تماشا دیکھتا۔۔۔۔۔۔۔بیسیوں نوجوان لارڈ اور ڈیوک روزانہ مجھسے ملنے آتے۔۔۔۔۔۔۔میرا کام مفت میں نکلتا - یہاں عورتوں کي سفارش' ہر قسم کی سفارش سے زورآور اور پر اثر ہے - ان کي سفارش سے بڑے بڑے جلسوں کا ممبر بنتا ہے - ان کی سفارش سے عہدہ ہائے جلیلہ ملتے ہیں - ان کے ذریعہ سے اعلیٰ درجہ کی صحبتوں میں رسائي ہوتي ہے - ان کی سفارش سے وزرا کي حکمت عملي میں فرق آجاتا ہے - ان کے دباؤ سے بڑے بڑے مدبّر' اپنی رائے بدل ڈالتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مگر جب تک تمہارے باپ (جن کو میں ایک بڑے اور نیم مردہ قاز سے تشبیہ دے سکتا ہوں ) زندہ ہیں' بہت سی دقتیں پیش آئیں گي۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔" -

ایک دوسرے خط میں (ڈیر پاپا) والد بزرگوار کو مخاطب کیا ہے :-

"۔۔۔۔۔۔۔۔یہاں کے ہوٹلوں اور مکانات عام میں' اکثر نوکروں کي جگہہ خوبصورت ؛ طرحدار ؛ تربیت یافتہ ' چست اور چالاک' کمسن عورتیں ہیں اور یہي لوگ ہر قسم کا کام' دن کو اور رات کو دیتي اور کرتي ہیں - اور اس خوش اخلاقي اور مروت سے پیش آتي ہیں کہ آدمی' اُن پر جان دینے لگتا ہے - حضور کے سر مبارک کي قسم' میري تو یہ کیفیت ہے کہ بے اختیار ان کو سارے محبت اور اخلاق کے گلے سے لگا لینے کو جي چاہتا ہے۔۔ ۔۔۔حضور اگر دس ہزار روپئے سے میري تائید کریں' تو میں یہیں شادی کرسکتا ہوں - اور ایک بڑی قابل' حسین اور صاحب جائداد دلھن کو لے کر وہاں آسکتا ہوں - اس کی طرف سے تو کورٹ شپ کے لئے اصرار ہے مگر میں نے چونکہ حضور کي مرضي اس بارہ میں دریافت نہیں کی' اس لئے مجکو اب تک

انکار ہے ..........اگر میری شادی میری پسند کے موافق یہاں ہوجائے اور میں اپنی بی‌بی کو لے کر وہاں آوں اور چورنگی میں بر لب میدان ایک ہوا دار اور پر شوکت ایوان میں رہوں - تو اس وقت حضور دیکھہ سکتے ہیں کہ میری ولائتی بی‌بی اپنی لیاقت اور اخلاق سے کلکتہ کے اعلے درجہ کی صحبتوں میں کیسی رسائی پیدا کرتی ہے - روز کتنے دیسی ؟ سویلین اور ملٹری' جن کو خداوند کہتے کہتے آپ کی زبان خشک ہوتی ہے - میری میز پر صبح و شام کھاتے پیتے اور ناچتے گاتے ہیں اور ہم لوگوں سے اور یوروپین لوگوں سے کیسی بے تکلفی اور دوستی رہتی اور ہوتی ہے..........یوں میم ہونے کے سبب سے اماں جان اور ابا جان اور خالہ اماں' اس سے نفرت کریں تو یہ دوسری بات ہے مگر صورت' سیرت دیکھکر تو خدا کی قسم پھڑک ہی جائیں گی - اس بارے میں اور عزیزوں سے صلاح کرکے حضور مجھے جلد اپنی رائے سے آگاہ فرمائیں - کیونکہ اب میرا کلیجہ درد ہجراں سے مونہ کو آتا ہے اگر وقت معینہ پر جواب عریضہ نہیں ملا تو شاید میں عالم اضطراب میں کورٹ شپ شروع کردوں اگر بعد اس کے آپ نے خلاف میں رائے ظاہر کی تو آپ کو ہرجہ دینا ہوگا.........''

ایک دوسرے عریضہ میں ڈیر پاپا کو اخلاقیات کا سبق دیا گیا ہے '

''.......حضور کے سرفراز ناموں میں نہ تو کہیں امورات تمدنی پر رائے زنی ہوتی ہے نہ کسی مسئلہ اخلاقی پر بحث ؟ نہ گورنمنٹ کی کاروائی پر نکتہ چینی ؟ نہ جنگ کابل کا حل - پھر کیا آپ نے مجھے بارہ تیرہ ہزار روپیہ خرچ کر کے ممانی اماں کی خفگی ؟ اماں جان کی بدمزگی ؟ خالہ اماں کی لڑکی کی شادی ؟ چھوٹے بھائی کے مکتب اور محلہ والوں کی شادی غمی کی خبروں کے سننے کیلئے یہاں بھیجا ہے - میں حضور کے سرفراز ناموں کو اس طرح چھپاتا ہوں جیسے

عورت عمر ؟ مبروص داغ ؟ کیونکہ خدانخواستہ اگر حضور کا غیر مہذب مراسلہ، یہاں کسی کے ھاتھہ پڑ جاے تو پھر لندن میں میرا رھنا مشکل ھوجاے اور شاید فرط غیرت سے میں خودکشی کرلوں۔''''''''حضور برابر تاکید فرما رھے ھیں کہ یہ ھیچ میرز بھی چھوٹی بیگم کی شادی کے بارے میں راے دے''''''افسوس ھزار افسوس کہ اب تک خیال شریف میں یہ موٹی بات بھی نہیں آتی کہ جب تک آدمی انگریزی نہ پڑھے کبھی زیور علم و اخلاق سے واقف اور نسواں کے فرشتہ سیرت اور حور نژاد فرقے کی قدر و منزلت سے آگاہ نہیں ھوسکتا - للہ ایکبار''''''''تشریف لائیے اور خاندان کی ساری مستورات کو لیتے آے - پھر دیکھئے عورتیں کس طرح رھتی اور مردوں کی جودت کی کل کو اپنی گرما گرمی اور باضابطہ اور پاک ناز نخرے سے کس طرح گھماتی رہتی ھیں - ''''''''میری راے میں چھہ برس تک تو شادی کا ذکر ھی نہ کریں - ابھی اُس کی عمر ھی کیا ہے صرف ۱۷ ! برس - اور یہ عمر شادی کے واسطے مہذبوں میں نہیں ہے - چھہ سال بعد اس کو دولھا پسند کرنے کا موقعہ دینا چاھئے''''''''پس میری خواھش یہ ھے کہ آپ جلد اس کا سامان سفر درست کریں''''''اس کے آنے کا بندوبست بخوبی سہل طور سے ھوسکتا ھے یعنی حضور اخبار دیکھتے رھیں - جب کوئی طالب‌العلم یہاں آنے والا ھو اس کے سپرد کردیں اور اگر یہ نہ ھوسکے تو کسی حاکم یا نیل والے کے ساتھہ بھیجیں کیونکہ ایک یوروپین کے ساتھہ وہ زیادہ آرام سے آسکیگی - نیٹو لوگ مستورات کی قدر نہیں جانتے''''''''ھاں شاید آپ یہ کہیں کہ اماں جان کی مفارقت، چھوٹی بیگم کو گوارا نہ ھوگی اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت والدہ صاحبہ کے آنے میں کون سی قباحت ھے کیونکہ حکام عالی مقام کی میم لوگ جب برسوں ان سے جدا

رہ سکتی ہیں تو آپ نے اگر تھوڑے عرصہ کے لئے اپنے سے جدا کیا تو مضائقہ کیا ہے۰۰۰۰۰۰''

---

نواب آزاد نے ایک ڈکشنری بھی اپنے مخصوص رنگ میں تصنیف کی ہے جس کے متعلق پروفیسر شہباز کا خیال ہے کہ '' اس رنگ نے وہ عام مقبولیت حاصل کی ہے کہ اس وقت کے کل رنگ پھیکے پڑ گئے '' حقیقت یہ ہے کہ یہ ڈکشنری بجائے خود اس عہد کی صحیح اور سچی تصویر ہے اور اسی عہد کی نہیں ، بلکہ چونکہ یہ ، حقیقت اور انسانی فطرت اور معاشرت پر مشتمل ہے اس لئے آئندہ ایک نامعلوم مدت تک اس کی کارفرمائی رہے گی - چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں -

پالسی :—گیدڑ بھبکی ، ہوائی بندوق کی آواز ، کمزور کو دبانا ، زبردست سے ڈرنا ، ممبران پارلیمنٹ کا آپس کا ناز و نیاز ، کسی کے جلتے ہوئے گھر سے تاپنا ،

انٹرسٹ (حقوق) :—وہ چیز جس کی حفاظت ضروری نہیں ، ایک قسم کی تمدن کی مچھلی جو کبھی جال میں نہیں پھنستی ،

پارٹی فیلنگ (پاسداریٔ جماعت) :— غول بیابانی کا قائم مقام بنکر اپنے ہم قوموں کو راہ راست سے بھٹکانا ، بے وجہ کسی سے عداوت ازلی ،

سویلزیشن :—اپنے ہموطن کو نیم وحشی جاننا - اپنے بزرگوں کو '' اولڈ گوس '' (پرانا قاز) کہنا ، ہارمونیم کی گت پر ، برانڈی کی دھن میں، پیروں سے تال دینا-

تعلیم نسواں :— عام جلسوں میں اپنی بہو بیٹیوں کو لے جانا -

اپنی میم کا ' ناچنے کے جلسہ میں ایک وقت کے لئے
دوسرے کی میم سے تبادلہ کرنا

کارشلس :—ایک خاص قسم کا مادہ سنگ مثانہ جو مدبّروں کے
دماغ کا جزو لاینفک ہے اور جس کو کسی ڈاکٹر نے
آج تک پہچانا نہیں ' ہر قسم کے معاہدے کا ' خاص
ضرورتوں کے لئے توڑ دینا - ایمان کو حکمت عملی کی
اسپرٹ سے تر رکھنا -

پارلیمنٹ :—وہ پالی جہاں کا اصیل اور تیتی دونوں کڑے - تمدن
کے دنگل میں حکمت عملی کے مطابق وزرا کے چت پٹ
ہو جانے کا سہارا -

یوروپین کنسرٹ (انجمن سلاطین یوروپ) :—کمزور سلطنتوں کے لئے
بٹوارے کا نیا قانون - دوسروں کے انتظام خانگی میں
دست اندازی کا بہانہ ' محجوب‌المیراثوں کے
حقوق کا سرپرست ' مشرقی مسئلہ حل کرنے کی
کھرل ' اصیل کے واسطے سنگ ریزہ اور تیتی کے لئے دانہ '
احمد کا مردہ محمود کی قبر !

اولڈ پاپا (پدر بزرگوار) :—اثبات حلال زادگی کے واسطے بے نظیر
دلیل - بے ضرورت دنیا میں رہنے اور دنیاوی امور میں
دخل دینے کو ہر وقت طیار ' آزادی نسواں کے لئے
برق آفت ' انیسویں صدی میں مسلمانوں کی سب
سے بڑی شامت -

ان کے علاوہ اور بھی الفاظ ہیں مثلاً کورٹ شپ ' تھیلکس د نائکا '
ڈومنی ' الکشن زادہ ' آیا ' میانجی وغیرہ ' جنکا اعادہ بخوف طوالت
نہیں کیا جاتا -

نواب آزاد نے "خمارستان کے تہذیب یافتہ مدکیوں کی تجارت کے جلسہ کا سالانہ ڈنر" بھي لکھا ھے - "حاضرین نکہت قرین" میں ' مسٹر پینک الدولہ (چیرمین) چسکی الملک (گورنر صوبہ تریاک آباد) مرزا خماربیگ (راقم فوچو گزٹ) سید بانبو جنگ (کمانڈر انچیف افواج فغفوریہ) دھوانداز خاں (انسپکٹر جنرل چانڈو خانجات) موجود تھے -

چیر مین نے اُس "شہنشاہ آفتاب نسب - عادل' انصاف گستر" کا جام صحت تجویز کیا ھے :-

"............جس کي رعیت سے بڑہ کر کسی کی رعیت' منکسرالمزاج' نرم طبیعت اور تہذیب یافتہ نہیں اور جس کی نیک نیتی اور پاک طینتي کي برکت سے افیون کی سي مفید' نفس کش اور مفرح چیز ھم لوگوں کے استعمال میں ھے... اور جس کي بدولت قوم حکمران نے ھم لوگوں کي جیب کا لاکھوں روپیہ پایا ھے (چیرس) یہ اسي متبرک چیز کي برکت ھے کہ ھمارے ملک کے لوگوں نے آج تک بجز اس کي یاقوتي رنگت کے' خون کي رنگت تک خواب میں نہیں دیکھی' اور یہ اسی کی کرامت ھے کہ صدھا سال سے ھمارے کان' بجز سامع نواز آواز بانبو کے' توپ و بندوق کي وحشت انگیز اور عافیت سوز آواز سے آشنا نہیں...........ایسے ایسے کامل پروفسر لوگ ھماری یونیورسٹي میں ھیں جو برسوں مراقبے میں ستارے اور بروج

کا حال دریافت فرماتے رہتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

اس کے بعد مرزا خماربیگ نے یوں گہر افشانی فرمائی :۔

"۔۔۔۔۔۔۔میری دلی مسرت اور بڑي عزت کی یہ بات ہے
کہ میرے سپرد اس جلیل‌القدر مہمان کا توسط
ہوا ہے جو آج اتنے بڑے صوبہ کا گورنر ہے اور جس
کي قلم کي نوک پر ہم لوگوں کے اقبال و ادبار
کا دار و مدار ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں اپنی خوش نصیبي
سے گورنر ممدوح کا ذاتي دوست بھي ہوں اور
اکثر میں نے لڑکپن میں اپنی ولایت کی چراگاہوں
میں ان کے ساتھ چھوٹے چھوٹے سور کے خوشنما اور
خوش رفتار اور نیک اطوار بچوں کو چرایا ہے۔
جو صفائي اور رونق کہ سرشتہ آبکاری کي ' ان
کي زمان حکومت میں ہوئي ہے ایسي کبھي آج تک
دیکھي نہیں گئي تھي اور صرف شراب اور افیون
کي تجارت کو ترقي دینے سے اس قلیل عرصہ
میں تہذیب اور علم ایسا شائع ہوئے کہ ہر
کوچہ و بازار میں شراب خانے اور مدک خانے
کثرت سے نظر آتے ہیں اور ان کے دیکھنے سے
نیک نیت آدمیوں کی آنکھوں کو بڑا آرام ملتا
ہے۔۔۔۔۔۔۔۔چیف کمشنر خرابہ کي رپورٹ سے ظاہر
ہوتا ہے کہ جب سے رم کو ان کوہستاني ملکوں میں
رواج کیا گیا ہے تب سے سیکڑے میں بیس آدمي
آگے سے زیادہ قحط کي سختي اور خوف کو کم کرنے کے
لئے دارالبقا میں نشیمن کرتے جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔"

اس کے بعد ان سب کا جواب دینے کے لئے چسکی الملک (آنکھہ ملتے ہوئے) اٹھہ کھڑے ہوئے - سب سے پہلے انہوں نے مرزا خمار بیگ کا شکریہ ادا کیا - فوچو گزٹ اور دیگر اخبارات اور آنریبل ممبران کونسل کی گرانقدر خدمات کا اعتراف کیا اور پھر یوں گویا ہوئے :-

"..................اس ملک کے انتظام کی باگ لیتے ہی میں نے آبکاری کی طرف اپنی کامل توجہ مبذول کی اور اس میں جو کچھہ ترقی ہوئی ہے اس کا حال عام شفاخانوں یعنی شراب خانوں اور چنڈو خانوں کے نقشوں کی طرف دیکھنے سے ظاہر ہوسکتا ہے - افیون کا تجربہ ہمارے ملک چین میں ساتھہ کامیابی کے ہوچکا تھا اور اس لئے اس پر مجھے کامل بھروسہ تھا اور شراب نے انگلستان کو جو فائدہ پہونچایا ہے اس سے میرا ذہن خالی نہ رہا - الحمداللہ کہ ان دونوں چیزوں کے شائع کرنے اور پھیلانے سے خاطر خواہ عمدہ اور زود اثر ثمرہ ملا - افیون نے یکقلم خونریزی ، ڈاکے ، بغاوت اور خانہ جنگیوں کا انسداد کردیا اور شراب نے تجارت کو چمکایا - نحیف القوی آدمیوں کو ہر قسم کی محنت کرنے کی طاقت بخشی ، عہدہ داران فوجداری کے فائل کو بھاری کیا ، کونسلیوں کے جیب و دامن بھردئے - گورکنوں کی تعداد بڑھائی ، آئندہ قحط کا کامل طور پر انسداد کیا - اور فروغ

علم و تہذیب مغربی سے اس وحشي ملک کے لوگوں کے دل و دماغ کو نوراني بنادیا.......
فقط افیون و شراب سے علمي ' اخلاقي اور تجارتي ترقي هي نہیں بلکہ، آئندہ کے لئے بلائے قحط کا شائستہ عنواں سے انسداد هوگیا اور ساتھہ اس کے عمدہ اصول '' بیک کرشمہ دوکار'' سے خزانہ شاهي بھی مالا مال هوگیا اور گورنمنٹ فغفوریہ کے دوالا نکلنے کا خوف جاتا رہا.........بعض صاحبوں کي یہ دلیل کہ هوم ملٹري خرچ کو کم کردیا جائے تو ٹکس اور قحط کی ضرورت جاتی رهے کیونکہ بے انتہا روپیہ خمارستان کے چیني مدکیوں کا اُڑ جانا هے ' محض بے کار هے - کوئي اس کو غور نہیں کرتا کہ اگر دلاوران چین اس ملک کی حفاظت نہ کرتے تو کیا ملک ؟ اجنبی دشمنوں اور اندروني بغاوت کے صدموں سے محفوظ رہ سکتا ؟ ابھي تک خمارستاني فوج اس قدر لائق اور تربیت یافتہ نہیں هوئي کہ ان پر نکیڈکامل کیا جاسکے اور یہ باهر کے دشمن کي فوج سے لڑائي کو سکیں - گو متعدد چلتو خانے ؟ جو همارے چیني انجینیروں کے بنائے هوئے حصار هیں مختلف مقامات ملک میں بنائے گئے هیں ' وهاں چیني رجمنٹیں رهتي هیں مگر ابھی تک اس کثرت سے یہ خیالي قلعے نہیں بنائے گئے کہ چیني فوج کا پیکن سے منگوانا موقوف هوسکے

اور هوم ملٹري خرچ گھٹایا جائے.........،،

ضمناً کچھه روئداد جنجال کونسل بھی سنئے :-

آنربل بابو بگلا چرنداس :- سوال - کیا گورنمنٹ کو اس کی واقفیت نہیں ھے کہ بسبب کثرت محنت دماغي اور ملیریل اور مرطوب مقامات میں رہ کر کام کرنے کے ' ایک کثیر تعداد منصفوں اور سب ججوں کی ' مرض آب نزول میں مبتلا هوکر بے وقت کی موت کي دعوت هی صرف نہیں کرتی هے بلکه اپنے فرائض کے انجام دهي سے روز بروز قاصر هوتی چلي جاتي هے - اگر گورنمنٹ کی توجه اس طرف ملتفت هوئی هے تو کیا تدابیر ' ان وفا شعار اور قیمتي عهده داروں کے اس آفت سے بچانے کي کر رهي هے یا کرنا چاهتي هے - یه بھي جاننے کی ضرورت هے که گزشته پانچ برس میں اس مرض کی سنیز سے کتنے عهده داروں نے دارالبقا کا سفر کیا هے اور کتنوں نے مجبوراً پنشن لے لي هے -

آنریبل مسٹر فوکس :- جواب :- جس مرض کے حسرت ناک طور پر ممبران جوڈیشل سروس میں پھیلنے کي طرف آنریبل ممبر نے توجه دلائی هے اس کی خبر گورنمنٹ کو هے مگر ان کو یه جاننا چاهئے که جن اضلاع میں یه عهده دار مامور هیں وهاں سیکڑے میں پچھتر آدمي کو اس قسم کا مرض هے اور اس کی کثرت ؟ آب و هوا کے خاص اثر پر موقوف هے جس میں گورنمنٹ کو کچھه دخل نہیں - علاوہ بریں تجربه سے دیکھا گیا

ھے کہ اس قسم کے امراض سے کسی قسم کا خلل ' ان عہدہ داروں کے کام کے انجام دھي میں واقع نہیں ھوتا ھے بلکہ وہ ایک استقلال اور تسکین کے ساتھہ اپني جگہ قائم رہ کر اپنے فرائض منصبي کو مضبوطي کے ساتھہ انجام دینے کے عادی ھوتے چلے جاتے ھیں اور کسي طرح یہ مرض ان کے ظاھري اقتدار اور اعتبار میں خلل انداز نہیں ھوتا ھے اور نہ ان کے وزن کو پبلک کي آنکھہ میں گھتاتا ھے .........گورنمنٹ اس کو خلاف تہذیب سمجھتي ھے کہ ایسے امراض کے متعلق کوئی نقشہ پر کروا کر ممبروں کي واقفیت کے لئے پیش کرے اور شاید تمام آنریبل ممبروں کو ' ایسي زیادہ دلچسپي ' ایسے نقشوں سے نہیں ھے.........''

---

گرما گرم تار کی خبر :- تاریخ ۱۷ مارچ ' ۱۹۱۱ع

''دو چار دن سے یہاں کے سفارتی حلقوں میں بڑي ھلچل مچي ھے اور یہ بات اب یقین کے قریب ھے کہ وہ ژولیدہ ' نیم جاں ' بد آواز اور وحشي کاکانوا ' جو باسفورس کے کنارے ایک بڑے ایوان عالیشان میں سرخ تاج پہنے ' ایک خوفناک تمدني اڈے پر نیم غنودگی کے عالم میں ' اپني بے پروائی اور سرکشي کي غیر مہذب اداؤں سے سلاطین یورپ کے نازک خیالات عظمت اور بے غرضانہ صلح جوئی کی عادت کو برسوں سے سخت صدمہ پہونچا رھا ھے ' آساني سے مشکل اور

پیچیدہ مسئلہ مشرقي کے سلجھانے کے لئے اپنے
بیش قیمت اور خوبصورت پروں کو نوچنے نہ
دیگا ''

---

مولوي سید محمد عبدالغفور ' شہباز ' کي نظموں (طنزیات) میں جو بات سب سے پہلے ناظرین کي توجہ جذب کرتي ھے وہ اُن کي اِنتہائي بے ساختگی ھے - ان کے کلام میں شاعرانہ بلاغت ؟ لطافت شعري یا ردیف و قافیہ کی برجستگي یا موزوني ' تلاش کرنا بے سود ھے - انھوں نے اپنی رواني فکر اور جودت تخیئل کو اصطلاحي پابندیوں پر خواہ مخواہ نہیں قربان کیا ھے - بعض بعض مواقع پر یہ بھی محسوس ھوتا ھے کہ مذھب اور ملت کی طرف سے استغنا ھي نہیں روا رکھا ھے بلکہ ایک حد تک بے پروائي کو دخل دیا گیا ھے - اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وہ مذھب و ملت کو اسي قابل سمجھتے تھے' روا نہیں ھے - اصل یہ ھے کہ بسا اوقات خیالات کي برجستگي اور شگفتگی خود بخود ان حدود میں داخل ھوجاتی ھے جو کسي دوسرے صنف کلام کے شاعر یا نثار کے لئے ارض ممنوعہ کي حیثیت رکھتي ھیں - اس قسم کا ""تجاوز"" شعرا کے لئے جائز رکھا گیا ھے - کیونکہ ناظرین' اس حقیقت کو پہلے ھي سے محسوس کرتے ھوتے ھیں کہ یہ محض شاعرانہ تفنن ھے جس کو اعتقادیات سے کوئی نسبت نہیں ھے - شہباز نے ایک موقعہ پر ""حضرت رمضان کا فوٹو'' اس طور پر کھینچا ھے -

دو ھفتہ سے گھر میں مرے وارد رمضاں ھیں
جھلّے یہ کچھہ ایسے ھیں کہ سب ان سے بجاں ھیں

ہے شام مہینوں ہی میں جاکر کہیں آتی
سنتے کہیں برسوں ہی میں مغرب کی اذاں ہیں
مسجد میں ہیں ترتیل و قرامت کے وہ جھگڑے
آمین کی جا مقتدی کہتے الاماں ہیں
ہوتی ہی نہیں ختم کسی طرح سے رکعت
مغرب پہ تراویح کے یاروں کے گماں ہیں
مغرب ہی چلی جاتی ہے مغرب سے عشا تک
سن لیتے کبھی اسمیں ہی مرغوں کی اذاں ہیں
مسجد سے جو آئے تو پھرے گھر سے خدا کے
الفاظ ہیں جو شکر کے سب ورد زباں ہیں

---

شہباز کے "سلجھے ہوئے خیالات" میں ایک جگہ داڑھی یوں اُلجھی ہوئی ہے :—

بنائیں جھالر اسے عرش و کرسئی رحمن
رکھیں فلک اسے سر پر سمجھ کے کاہکشاں
لگائے آنکھ سے دیکھے اسے جہاں رضواں
ادب سے چھوتے ہی چومیں حور اور غلماں
نعیم خلد کی ہلتی یہ درشتی داڑھی

مسلمانوں میں "آثار اقبال" ملاحظہ ہو:

اہل اسلام ہیں اب راہ پہ آئے جاتے
ہیں کچھ آثار سے اقبال کے پائے جاتے
ہنس تو دیتے ہیں نہ روئیں اثر غیرت سے
گر کبھی قوم کے خاکے ہیں اُڑائے جاتے

دستخط چندوں کی فہرست پہ کر دیتے ہیں
دے بھی دیتے ہیں بہت گر ہیں ستائے جاتے
شوق سے بیف ۔ ؟ مٹن ہمرہ مسٹر بیکن
کھاتے سچ مچ ہیں جو جھوٹوں ہیں کھلائے جاتے
"فانکدوا" سے بھی زیادہ نہیں ان کو انکار
کورٹ شپ کے ہیں اگر دام میں لائے جاتے
بار اٹھاتے ہیں وہ اکثر ولدالکلبوں کا
گو یتیموں پہ ہیں کچھ رحم دلائے جاتے

---

پنڈت رتن ناتھہ سرشار اور سجاد حسین کے بارے میں مولوی عبدالباری آسی صاحب نے اپنی تصنیف تذکرۂ خندۂ گل میں بعض نہایت گرانقدر خیالات کا اظہار فرمایا ہے جن کا جستہ جستہ اقتباس درج ذیل ہے :—

"...........سرشار نے جو کُچھہ سیکھا وہ اودہ پنچ سے سیکھا اور باوجود اس کے کہ وہ شگفتہ بامحاورہ نثر لکھنے میں مشاق تھے ، ہر طبقہ ہر فرقہ کے حالات اور محاورات سے باخبر تھے ؟ ظرافت نگاری ان کا جزو تحریر ہوگئی تھی مگر سجاد حسین مرحوم کی ظرافت سے اس کو ذرّہ اور آفتاب کی بھی نسبت نہیں ہے ۔ رتن ناتھہ سرشار جب ظرافت پر آتے ہیں تو کچھہ رسوم و رواج کے نقشے کھینچ کر ، کچھہ مضحکات پیدا کرتے ہیں کچھہ اس فرقہ کے حالات لکھتے ہیں اور اس میں محاورات کو داخل کرتے ہیں ، کچھہ اصطلاحات خاص لاتے ہیں ؟ کچھہ ضرب‌الامثال سے زینت کلام میں مدد لیتے ہیں ، کچھہ ہنسنے ہنسانے والے الفاظ استعمال کرتے ہیں ؟ کچھہ کلام کو طول دیتے ہیں ، کچھہ مشاہیر کے تڑپانے والے اشعار

موقع بے موقع لکھتے ہیں تب کہیں جاکر عبارت میں ایک لطف پیدا ہوتا ہے - اس میں بھی ایک نقّاد کی پہلی نظرِ نکتہ چیں کو آورد کا عیب صاف اور کھلا ہوا نظرآتا ہے اور دوسری نگاہ خوردہ بیں ؟ طوالت کلام کی وجہ سے ہر داستان کو لندھور بن سعد ان کی داستان خیال کرنے لگتی ہے - رنگین الفاظ کے قالب ظرافت کے نقش و نگار سے مزیب اور مزین معلوم ہوتے ہیں مگر وہ لعبت چیں سے زیادہ نہیں ہوتے نہ اُن میں کوئی روح ہے نہ جان - عام نظروں کو دھوکا دینے میں البتہ مدد کرتے ہیں - اُس کے مقابلہ میں سجاد حسین مرحوم کی عبارت کو دیکھئے تو وہ عربی ؟ فارسی کے بلیغ اور وزنی الفاظ کی ثقالت کے باوجود بھی اتنی رنگین ظرافت میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے کہ دیکھنے والے کو کوئی حصہ اور کوئی بیرونی اور اندرونی پردہ اس سے خالی نظر نہیں آتا - غور کرنے پر اُس کے لطف میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے - ایک ایک سادہ فقرہ بھی ان تمام قرائن کو ادا کرتا ہے جنہیں سرشار ایک ایک کرکے جمع کرتے ہیں - ایجاد ؟ ایجاز و اختصار ؟ فصاحت ؟ بلاغت ؟ ہر جگہہ دوش بدوش نظر آتی ہیں - ایک ایک پھبتی ظرافت کے ایک ایک دفتر کا جواب ہے - ہر فقرہ پکارتا ہے کہ جس جگہہ میں ہوں اُسی کے لئے وضع ہوا ہوں؟ ہر جملہ بتاتا ہے کہ اس رنگ خاص کا میں ہی آغاز ہوں اور مجھی پر اس رنگ کا اختتام ہے - راقم الحروف جب سجاد حسین کی کسی عبارت کو دیکھتا ہے تو نعمت خان عالی یاد آتا ہے ؟ صرف زبان کا فرق رہتا ہے باقی کچھہ نہیں................ - ؟؟

آسی صاحب نے سجاد حسین اور سرشار کا جو موازنہ یہاں پیش کیا ہے وہ خود ' آورد ؟ سے خالی نہیں ہے اور صرف

« آورد » هی نہیں بلکہ اُس میں ایک سنگین تضاد بھی موجود ھے - سرشار کي ظرافت پر جو تنقید پیش کي گئی ھے (قطع نظر اُس سے کہ اِس کا اطلاق سرشار پر ھوتا ھے یا نہیں ) وہ تقریباً حرف بحرف خود نعمت خان عالي پر صادق آتي ھے - اگر سجاد حسین کو سرشار پر ترجیح ھے اور آسي صاحب کو اِس پر اصرار ھے توسجاد حسین کو نعمت خان عالي سے دور کي نسبت بھي نہیں دینا چاھئیے - نعمت خان عالي کے مضامین ان صفات سے قطعاً مُعرّا ھیں جو (بقول آسی صاحب) سجاد حسین کي امتیازي خصوصیات ھیں - میرے نزدیک تو یہ زیادہ بہتر ھے کہ سجاد حسین کے بجائے سرشار کو نعمت خان عالي سے تشبیہ دیجائے اور یہ بھي محض اُن خیالات کي بنا پر جن کا اظہار آسي صاحب نے سرشار کے بارہ میں کیا ھے - نعمت خاں عالي کا ھنسنا اور ھنسانا دونوں مصنوعي ھوتا ھے - سجاد حسین کي تصانیف کے تقریباً سارے کردار اس محرومي سے محفوظ ھیں - نعمت خان کي ظرافت یا طنز «« الفاظ »» سے اور سجاد حسین کي «« واقعات »» سے وابستہ ھوتي ھے - اور راقم السطور کے نزدیک نعمت خان عالي اور سجاد حسین کی تصانیف پر یہ خیال آخري فیصلہ نہیں تو آخري فیصلہ پر جلد سے جلد اور براہ راست پہونچنے کا بہترین و آخر تریں وسیلہ ضرور ھے !

سرشار کي سب سے بہتر اور اُن کے کمالات کي بہتریں نمائندہ تصنیف «« فسانہ آزاد »» ھے - اور اِس میں شک نہیں وہ سجاد حسین کے حاجي بغلول سے جامعیت میں کسي طرح کم نہیں ؟ خوجی کا کیریکٹر ، حاجي بغلول سے زیادہ متنوع ھے - حاجی

بغلول ایک طور پر ڈکنس ( Charles Dickens ) کے پک وک
ابراڈ ( Pickwick Abroad ) کا نامکمل اور ایک حیثیت
سے ناقص چربہ ہے لیکن اس حقیقت سے کسي کو انکار نہیں
ہوسکتا کہ حاجي بغلول ' اُردو طنزیات اور ظرافت میں منفرد
حیثیت رکھتا ہے اور اب تک اُس کا جواب اُردو میں کہیں نظر نہیں
آیا ہے -

ہاں تو امر متنازعہ فیہ یہ تھا کہ سرشار کا فسانہ آزاد کہاں
تک آورد اور تصنعات غیر ضروري سے پاک یا آلودہ ہے - مولانا
آسي صاحب نے اس بارے میں جو خیال ظاہر کیا ہے اُس کے
بارہ میں آساني سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ موصوف نے صحیح
مقدمات ( صغری وکبری ) سے غلط نتیجہ نکالا ہے - آزاد نے
زندگي اور معاشرت کے ہر پہلو پر علحدہ علحدہ اظہار خیال
کیا ہے - اِس کے لئے مختلف حالات و حوادث پر مخصوص انشا
اور مخصوص مصطلحات ' مخصوص الفاظ اور فقروں کا لانا ضروری
تھا - ہر مصنف یا اکثر کو ان ضروري مراحل سے گزرنا پڑتا
ہے ' چنانچہ نعمت خان عالي کو بھی انہیں نشیب و فراز
سے گزرنا پڑا ' لیکن جہاں نعمت خان عالی اور سرشار ایک
دوسرے سے علحدہ ہوجاتے ہیں ' وہ ذوق اور مقاصد کا اختلاف
تھا ' سرشار کے سامنے منزل مقصود تھي ' نعمت خان عالي
کے سامنے صرف وسیلۂ سفر تھا ' دونوں کے ذوق اور مقاصد
جداگانہ تھے - فن ادب اور انشا میں یہ چیزیں مصنف کی قسمت پر
آخري فیصلہ ہوتی ہیں -

سرشار کي تحریر کا جستہ جستہ نمونہ حسب ذیل ہے :—
"........خواجہ صاحب کو بیماري کے سبب سے سخت

پریشان ہوتے تھے مگر چانڈو خانے میں بیٹھنے کا چسکا اور پھر یہ بھی خیال تھا کہ اب جہاندیدہ ہوگئے ہیں چلکر ذرا چانڈو خانہ میں سیر و سیاحت کا حال تو دیکھیں ڈولی منگوا کر سوار ہوئے اور چٹ چانڈو خانے میں داخل - لوگوں نے ان پر نظر ڈالی تو متحیر کہ یہ نئی پنچھی کون پھنسے ! (خوجی) :- سلام علیکم یاران - سلام علیکم برادران ( امامی ) مالیکم بھائی مالیکم آؤ کہاں سے آنا ہوا (خوجی) ذرا ٹکنے دو پھر کہوں - مگر میں بیٹھ نہیں سکتا - دو برس لڑائی پر خستہ ہوگیا جب دیکھو مورچہ بندی ' ہر دم ساز و سامان سے لیس؟ مر مٹے مگر وہ نام کیا کہ ساری دنیا میں مشہور ہوئے اور قسم جناب والد ماجد کی روح کی ' شیطان بھی ایسا مشہور نہ ہوا ہوگا - جیسا بندہ نے نام کیا یہ سب اس کی کریمی ہے (امامی) لڑائی کیسی - اب اس زمانہ میں خانہ جنگیوں تک کا ذکر تو سننے میں نہیں آتا ' لڑائی کیسی (خوجی) تم بسم‌اللہ کے گنبد میں بیٹھے بیٹھے کیا جانو (قادر) چانڈو کی نکالی چھوڑ کر—کیا روم روس کی لڑائی سے آتے ہو کیا - اور تو کوئی لڑائی نہیں سنی ہاں ایران والے اور توران والے سے بھی مورچہ بندی ہوگئی تھی - (خوجی) تم کیا جانو روم روس کی لڑائی کا حال (قادر) روم والے نے روس کے بادشاہ سے کہا کہ جس طرح تمہارا چچا ہم کو خراج دیتا تھا اسی طرح تم بھی دیا کرو مگر اس نے نہ مانا اسی بات پر تکرار ہوئی تو روم کے شہنشاہ نے کہا اچھا اپنے چچا کے مقبرہ میں چلو اور پوچھو دیکھو کیا آواز آتی ہے - بس صاحب سننے کی بات ہے کہ ( وہاں چانڈو کے چھینٹے اُڑنے لگے ) - بس جناب روس والےنے کہا ہم نہ دینگے تو اس بات پر تکرار ہوئی - روم کے شہنشاہ کے پاس

حضرت سلیمان کي انگشتری تھي اور وہ انھوں نے کسي فرشتے یا موکل کي مدد سے ھوا پر بھیجي تو صدھا جن حاضر ھوئے بادشاہ نے حکم دیا کہ روس میں ھر چار طرف آگ لگا دو تو روس کي چار دیواري جلنے لگي - روس والے نے سب وزیروں کو جمع کرکے کہا کہ آگ بجھاؤ تو سوا کروڑ سقے مشکیں بھر بھر کے پاني لئے کھڑے تھے اور مشکیں اتني اتني بڑي کہ دو لاکھ من پاني جن میں آئے - (خوجي) کیوں صاحب یہ آپ سے کس نے کہا ھے ( امامي ) اجي یہ نہ پوچھو - ان سے سب فرشتے کہہ جاتے ھیں ( قادر ) بس صاحب سننے کي بات ھے کہ سوا دو کروڑ مشکیں جلیں في مشک دو لاکھہ من پاني تھا ملک کے چاروں کونوں پر پڑتي تھیں مگر آگ بھڑکتي جاتي تھی تو بادشاہ نے حکم دیا کہ دو کروڑ لاکہ سقے کام کریں اور مشکوں میں چھتیس چھتیس کروڑ من پاني ھو - (خوجي) اوگیدی کیوں اس قدر جھوٹ بولتا ھے ( شبراتی ) میاں سننے دو بھائي عجیب آدمي ھو ( قادر ) اجي آپ لکھنؤ کے مہین آدمی ان ملکوں کا کیا حال جانیں - روم روس مازندران توران انوپ شہر کا حال ھمسے سنئے ( امامي ) وھاں کے لوگ بھی دیو ھوتے ھیں دیو ( قادر ) روس کے بادشاہ کی غذا کا حال سنو تو چکرا جاؤ - سویرے منھ اندھیرے چھہ بکروں کي یخني - چار بکروں کے کباب ' دس مرغ کا پلاؤ اور دو موریلے ترکیب کے ساتھہ کھاتے ھیں اور دوبجے کے وقت سو مرغ کا شوربہ اور دس سیر ٹھنڈا پانی ' بارہ بجے جواھرات کا شربت کبھي پچاس من کبھي ساتھہ من؟ چار بجے دو کچے بکرے دو کچے ھرن؟ دو کچے کبوتر جنگلي؟ شام کو شراب کا ایک پیپہ اور پہر رات گئے گوشت کا ایک چھکڑا - ( امامي ) جب تو طاقتیں ھوتي ھیں کہ سو سو آدمیوں

کو ایک آدمي مار ڈالتا ھے ؟ ھندوستان کا آدمي کیا کھاکر لڑے گا ( شبراتي ) ھندوستان میں اگر ھاضمے کی طاقت کچھہ ھے بھي تو چانڈو کے سبب سے وّلا نہ سب کے سب مرجاتے ( قادر ) اسمیں کیا کلام ھے پھائي صاحب دریں چہ شک ( امامي ) سنا ھے ھاتھي سے تنہا مقابلہ کرتے ھیں روس والے ( قادر ) ھمسے سنو - دس ھاتھي ھوں اور ایک روسي دسوں کو مار ڈالیگا - ھاتھی کي مستک پر گھونسا مارا اور وہ چنگھاڑ کے بیٹھہ گیا ؟ بیٹھا اور مرگیا ( خوجي ) روس جانے کا کبھي اتفاق ھوا ھے آپ کو ( قادر ) اجی ھم گھر بیٹھے ساری دنیا کي سیر کر رھے ھیں ( خوجي ) یارو ھم کس سے کہیں ابھي جنگ کے میدان سے آتے ھیں ھمنے تو وھاں ھاتھي دیکھے ھي نہیں -- ( قادر ) روم والوں نے جب آگ لگادي تو گیارہ برس گیارہ مہیلے گیارہ دن گیارہ گھنٹے جلا کي - اب جاکے پرسوں ذري ذري آگ بجھی ھے ( خوجي ) اُف فوہ سر پیٹنے کو جي چاھتا ھے - ارے یارو اس جھوٹ پر خدا کي مار ( قادر ) آپ کي تو صورت ھي کہے دیتي ھے کہ آپ روم ضرور گئے ھیں ( خوجي ) بھلا روم کي دارالسلطنت کا نام کیا ھے ( قادر ) مرزبان ' دس کوس اِدھر دس کوس اُدھر پھاڑ ھے ( خوجي ) مرزبان نام تو کوئي شھر ھي نہیں - تم کیا جانو مرزبان وہ شھر ھے جہاں ' خیر ' اور پریاں پھاڑوں پر رھتي ھیں اور دس کوس کے فاصلے پر آدم زاد اور پھاڑوں پر وھاں بادل روئي کے گالوں کی طرح چشموں میں پاني پي پي کے آسمان پر جاتے ھیں اور آسمان کے رھنے والوں کو پاني پلاتے ھیں ( خوجي ) یا خدا ان لوگوں کو سیدھے ڈھرے لگا ( قادر ) اچھا بتاؤ روم کے بادشاہ کا نام کیا ھے ( خوجي ) ھمسے پوچھتے ھو خدا کي شان ( قادر ) ھاں ھاں آپسے پوچھتے ھیں - بتائیے

(خوجي) سلطان عبدالحميد خاں بہادر غازي (قادر) ھنسکر واہ واہ بس بس آپ خاک نہیں جانتے ( امامی ) پھر یہ کیا کہتے ہیں کہ ہم روم سے آتے ہیں ( قادر ) بھلا لڑائي کا انجام کیا ہوا بتائیے ( خوجي ) پلونا کی جنگ میں سپہ سالار ترک قیدھو گیا ؛ قلعہ ہمارے ہاتھہ سے نکل گیا اور روسیوں نے فتح پائی ( قادر ) کیا کہتا ھے بدبخت خبردار جو اب ایسا کہا ہوگا تو اتنے پونڈیں ماروں گا کہ بھرکس ھي نکل جائے گا - ( نواب ) جي میں آتا ھے کہ اس وقت ان کی مرمت کروں ( امامي ) ہمارے بادشاہ کے حق میں بري بات نکالنا کیا معنی - بد خواہ ' بے ادب آدمي - بچہ یہاں ایسي باتیں کروگے تو پٹ جاؤگے اور سلئے اچھے ملے ( خوجی ) سنو صاحب ہم شاھي کے کمیدان ہیں اور ( قادر ) اب زیادہ بولو گے تو اُٹھکر کچومر ھی نکال دوں گا ؟ ہمسے بڑھکر روم کا حال تو جانتا ھے ( خوجي ) جناب آپ تو پڑھے لکھے آدمي ہیں ( قادر ) قسم خدا کي اگر ذرا بولے تو بچیگی نہیں - ( امامي ) اب تم بے پٹے نہ جاؤگے کیا ( شبراتی ) یہ ہیں کہاں کے ؟ قبر سے نکل بھاگا ھے کیا - صورت تو دیکھو مردے کي سی !

---

دد ( آزاد ) پیر و مرشد صف شکن علي شاہ وھاں ملے تھے ( نواب ) بہ آواز بلند - واہ ؟ لو صاحب سنو ارے مرا صف شکن علي شاہ ! ( مصاحبین ) بآواز بلند - جزاک اللہ جزاک اللہ ' واہ رے صف شکن علي شاہ ( خوجي ) خداوند اس ذانت ذہیت کا بٹیر بھي کم دیکھا ( نواب ) دیکھا ھي نہیں کم کیسا ( مصاحبین ) حق ھے حق ھے واللہ بہت صحیح ھے ( نواب ) ارے میاں

غفور ذرا گھر میں اطلاع کردو کہ صف شکن علي شاہ بہ خیریت ہیں معرکةدار وگیر میں انکو لوگ دیکھہ آئے ہیں - مہری نے اندر جاکر ہنستے ہنستے کہا " سرکار مبارک ہو بڑی خوشي کي خبر غفور کے زباني سننے میں آئي ہے حضور نے کہلا بھیجا ہے کہ ہمارے صف شکن علي شاہ ( مسکرا کر ) روم کي لڑائي میں ہیں ؟ معتبر لوگوں نے دیکھا ہے............ ( نواب ) بھلا کسي مورچے پر گئے تھے یا نہیں دور ہي سے دعا دیا کئے ( خوجي ) خداوند غلام جو عرض کرے گا کسي کو باور نہ آئے گا اور یہ آپکے پاجي مصاحب مجھے جھوٹا بنائیں گے اور میں جھلاؤں گا اور مفت کي تھائیں تھائیں ہوگي - ( نواب ) کیا مجال - خدا کي قسم اب تم میرے رفیق خاص ہوئے تمنے جو تجربہ حاصل کیا ہے - بھلا دوسرا تمہارا مقابلہ کر سکتا ہے - ( خوجي ) یہ حضور کے اقبال کا اثر ہے خداوند ورنہ من آنم کہ من دانم کا نقشہ ہے اذل خلائق ' ہیچمیرز ؟ ہیچمداں ؟ نالائق ' رد خلائق ' مردود ومطرود ' نا معقول ہوں .......... حضور بات یہ ہوئي کہ غلام لب چشمہ سار ایک پیالي میں آہستہ آہستہ افیم گھول رہا تھا کہ بس درخت کي طرف سے نظر کرتا ہوں تو نور کا عالم - یا الہي یہ ماجرا کیا ہے ' یا خدا یہ کیا اسرار ہے غور کرکے دیکھتا ہوں تو روشني ؟ پہلے تو میں سمجھا کہ چنار کا درخت ہے مگر دم کے دم میں ہمارے حضور صف شکن پھر سے آن کر ہاتھہ پر بیٹھہ گئے - ( نواب ) شکر خدا ہزار شکر خدا ؟ بڑے خوش ہوئے ہوگے ( خوجي ) حضور جیسے کروڑوں روپیہ مل گیا ؟ دنیا بھر کی اقلیم کے مالک بن بیٹھے ؟ حضور کا حال بیان کیا ؟ یہاں کا ذکر چھیڑا ؟ سرکار کي بیقراري اور فراق میں نصیب اعدا گریہ و زاري

کا حال کہا ' بس حضور پھر تو یہ کیفیت تھي کہ کسي لڑائي میں غنیم جم ھي نہ سکے جنگ ھوئي اور روسیوں نے توپوں پر بتي لگائي اور ادھر مرے شیر نے کیل تھونک دي - (نواب) ایں ؟ آھا ھا ھا ؟ واللہ اے میرے صف شکن علي شاہ ! ( مسیتا ) خداوند، جانور کیا جادو ھے ' سحر ھے پرکالۂ آتش ھے ( خوجي ) بھلا اسکو کوئي بتیر کہہ سکتا ھے اور جانور آپ خود ھیں ؟ ایسا ثقیل اور سخت اور ناملائم لفظ انکي شان میں آپ استعمال کرتے ھیں - نا معقول ! ( نواب ) مسیتا بیگ اگر تم کو اچھي طرح رھنا ھے تو رھو ورنہ اپنے گھر کا راستہ لو - اس کے کیا معني ? آج کو صف شکن کو جانور بنایا کل مجھے جانور کہو گے - مصاحب ھو کہ آقا ھو ( مصاحب ) خداوند بجا ارشاد ھوا یہ نرے پھوھڑ ھیں........ ( بیگم ) صف شکن علي شاہ اب کہاں ھیں - ( نواب ) واللہ مجھے یہ حال معلوم ھي نہیں تھا کہ جنگ و جدال میں بھي برق ھیں میں تو سمجھتا تھا کہ صرف خانہ جنگیوں ھي میں استاد ھیں - مگر اس نے تو جاکے توپوں میں کیلیں ٹھوک ٹھوک دیں - اللہ اللہ ' خدا جانے یہ سب سیکھا کس سے ھے ؟ ( بیگم ) یہ خدا کي دین ھے سیکھنے سے کہیں ایسی باتیں آتي ھیں ( نواب ) واللہ سچ کہتي ھو بیگم صاحب ؟ سچ ھے پیاری اس وقت تم سے جي خوش ھوگیا - اے غضب خدا کا ' کجا توپ کجا کیل ؟ کجا صف شکن ' خیال تو کرو ؟ سبحان اللہ سبحان اللہ ( بیگم ) اگر پہلے سے معلوم ھوتا تو صف شکن کو ھزار پردوں میں چھپا کے رکھتي - کبھي ھوا بھي نہ دیتي مگر اب تو جو ھوا سو ھوا - ھاں خوب یاد آیا سنو وہ تو ابھي جیتے جاگتے ھیں اور تم نے انکا مزار بنوا دیا - یہ کیا ( نواب ) واللہ خوب یاد دلایا ؟ پیش از مرگ

واویلا ( بیگم ) یه تو صریح کوسنا ہوا کسي بیچارے کو ( نواب ) کوسنے کے علاوہ اسمیں اور فیه بهي هے فرض کرو سیر کرتے هوئے اسیطرف آنکلے اور پڑھے لکھے تو هیں هي ؟ نظر پڑگئي ؟ که " مزار پر انوار میاں صف شکن علي شاہ " تو اس وقت کہیں گے که ماشاالله یه لوگ میري موت هي کے خواهاں تهے - کیا جهپاک سے قبر بنوادی هے اس سے بهتر یهي هے که کهدواڈالوں ورنه بری هوگي -

---

حضرت اکبر حسین' اکبر الهآبادی

لسان العصر اکبر مرحوم کے کمال شاعري پر صحیح ؟ جامع اور مختصر ترین فیصله ' اگر اب تک کہیں مل سکا هے تو وہ ترجمان حقیقت علامه اقبال کا یه ارشاد هے ؟ -

سرِ ذروۂ طور معني کلیمے
بہ بُت خانۂ دور حاضر خلیلے
گہے گریۂ او چو ابر بهارے
گہے خندۂ او چو تیغِ اصیلے

اکبر کا زمانه اکبر کے لئے عین مقتضائے فطرت تها - مسلمانوں کے زوال کا ماتم حالي نے کیا هے اور مرثیت کا دور ' حالي کے ساتهه هي ختم بهي هوگیا - راقم‌السطور کے نزدیک حالی کي شاعري کا اخلاقي پهلو اس اعتبار سے نهایت اهم اور بلند هے که اُن کا مرثیه " تخریبي " هونے کے بجائے یکسر " تعمیري " تها - اُن کے قومي ماتم میں تخلیقي شان تهي - خاندانوں کي زندگي سے ملتي جلتی هي زندگی اقوام کی بهي هوتي هے - مثال کے طور پر کسی خاندان کو لے لیجئے - فرض کیجئے کسي ظالم یا غاصب نے خاندان کو یکسر تباہ اور غارت کردیا ؟ پسماندگان '

فرط غم و الم سے زمین آسمان ایک کردیتے ہیں اور کچھ عرصہ تک کم و بیش یہی عالم رہتا ہے۔ مرور ایام سے حادثہ کی شدت کم ہو جاتی ہے بایںہمہ اپنی حالت بہتر بنانے یا غاصب سے انتقام لینے کی کافی سکت نہیں ہوتی۔ اس وقت تھوڑا بہت ماتم، بہت کچھ طعن و تشنیع اور ہجو و ہزل سے دل کا بخار کم کیا جاتا ہے۔ یہ دور بھی ختم ہوتا ہے اور پسماندگان اپنی حالت کو قدیم سطح پر لانے اور ظالم سے انتقام لینے پر اپنے آپ کو جری پانے لگتے ہیں یہ وقت رجز اور حرب و ضرب کا ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طور پر ہماری سوسائٹی، ہماری شاعری اور ہمارے شعرا کی بھی ابتدا، ارتقا اور انتہا ہوئی ہے۔ حالی نے سلطنت مغلیہ کے زوال پر اسلام اور اسلامیوں کا ماتم کیا۔ اکبر نے طنز اور ظرافت سے کام لیا اور اقبال نے نعرہ جنگ بلند کیا۔ انہیں وجوہ کی بنا پر راقم السطور کے نزدیک حالی، ماضی کے، اکبر حال کے اور اقبال، مستقبل کے شاعر قرار دئے جاسکتے ہیں۔

حالی نے خود ایک جگہ کہا ہے:-

ہیں یہ باتیں بھول جانے کی مگر کیونکر کوئی
بھول جائے صبح ہوتے ہی وہ سب شب کا سماں
بزم کو برہم ہوئے مدت نہیں گزری بہت
اُٹھ رہا ہے دل سے شمع بزم کے، اب تک دھواں

اقبال فرماتے ہیں:-

من صدائے شاعرِ فرداستم

یا

دیکھتا ہوں دوش کے آئینہ میں فردا کو میں

اب دیکھنا یہ ہے کہ کن حالات کے ماتحت اکبر نے اپنا پیغام رسالت ہم تک پہونچایا ہے۔ اس زمانہ میں اغیار کی دراز دستی، اقربا کی سادہ لوحی، برادران یوسف کی بے اعتنائی و سرد مہری، مذہب و ملت کی کس مپرسی، حکومت کا استیلا، مغربیت کا سیلاب بلا، ایسی چیزیں تھیں جن کا نہ تو ماتم کیا جاسکتا تھا اور نہ مقابلہ، مجبوراً شاعر نے درمیانی راستہ اختیار کیا۔ وہ طعن و ہجو سے مرافعہ کرتا ہے، ہنسا ہنسا کر رلاتا ہے اور کھلا کھلا کر مارتا ہے۔ تلخ حقائق کو شربت کا گھونٹ بنا دیتا ہے، روتا ہے تو ایسی صورت بنا کر کہ لوگ ہنستے ہنستے رو پڑیں، ہنستا ہے تو اس انداز سے کہ لوگوں کے گریہ گلوگیر ہوجائے۔

اکبر کے عہد کا بہترین خاکہ جو اب تک راقم‌السطور کی نظر سے گزرا ہے اور جو اپنی معقولیت اور جامعیت کا خود ہی نظیر ہے، مولانا عبدالماجد صاحب بی۔ اے۔ دریا بادی کا وہ حصۂ مضمون ہے جو رسالہ اُردو بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۲۳ ع میں شائع ہوچکا ہے۔ ممدوح نے جس خوبی، بصیرت اور بلند آہنگی سے حالات اور واقعات کا مرقع کھینچا ہے، اس کا یہاں تذکرہ ناگزیر ہے۔ ان کو مد نظر رکھکر لسان العصر کے شاعرانہ کمال کا اندازہ لگانا آسان بھی ہوگا اور مفید بھی۔ وھوھذا

"اکبر کی شاعری کی نمود و ترقی کا زمانہ، انیسویں صدی عیسوی کا ربع آخر اور بیسویں صدی کا خمس اول ہے۔ یہی زمانہ ہندستان میں مغربی تمدن، مغربی اخلاق، مغربی معاشرت، غرض مغربیت کے انتہائے عروج و شیوع کا ہے۔ اکبر جب دنیا سے روشناس ہوتے ہیں تو اُن کے ملک و قوم کی یہ حالت ہے کہ غدر ۱۸۵۷ ع کو فرو ہوئے چند سال گزر چکے ہیں۔ ہندوستان بیرونی

مداخلت و تسلط کے شکنجہ میں پورے طور پر کسا ہوا ہے ـ
مسلمانوں کی قوم خصوصیت کے ساتھہ اپنی شامت اعمال کے نتائج
بھگت رہي ہے ـ اسلامي اخلاق ؛ اسلامي آداب ؛ اسلامي شعائر ؛ مدت
ہوئی ' رخصت ہوچکے ہیں ـ ثروت و خوشحالي کا اول تو وجود
ہي عنقا ہورہا ہے اور پھر جو کچھہ ہے بھي ؛ وہ عیاشیوں ؛
نفس پرستیوں کے لئے وقف ہے ـ تعلیم وتربیت ؛ اتفاق و اتحاد ؛
نظم و انتظام ؛ ضبط و خود داري ؛ همت و بلند نظري ؛ صداقت
و حق پرستی ؛ قناعت اور ایثار میں سے کوئی ایک شے موجود
نہیں ـ عقائد میں تزلزل آچکا ہے ؛ ایمان کی مضبوطی ایک افسانۂ
پارینہ رہ گئی ہے ـ حرص و طمع ؛ مکر و نفاق؛ خود غرضی و
غداري ؛ نفس پروری اور عیش پرستي کی گرم بازاری ہے ـ اُس کے
مقابلہ میں برطانیہ کی عظمت کا نقش ہر دل پر بیٹھا ہوا
ہے ـ داد خواہی کے لئے انگریزی عدالتیں ہیں ؛ تعلیم کے لئے
انگریزي مدرسے ہیں ؛ سفر کے لئے انگریزی سرائیاں ہیں ' علاج
کے لئے انگریزی شفا خانے ہیں ؛ رسل و رسائل کے لئے انگریزی
ڈاکخانے ہیں ؛ مہاجني کے لئے انگریزي کوٹھیاں اور بانک ہیں ؛
ماضي سے واقفیت کے لئے انگریزوں کی کتابیں ہیں ؛ حال سے باخبر
رہنے کے لئے انگریزوں کے اخبارات ہیں ؛ مستقبل کي پیشینگوئی کے
لئے انگریزي سائنس ہے ؛ عزت و حکومت کے لئے انگریزی عہدے
ہیں ؛ حصول زر کے لئے انگریزي پیشے (بیرسٹري وکالت ڈاکٹری ؛
انجینري وغیرہ) ہیں ـ زینت و آرائش کے لئے انگریزي مصنوعات
ور انگریزی بازار ہیں ؛ نشاط وتفریح کے لئے انگریزی پارک اور انگریزي
ماشہ ' تھیٹر وغیرہ ہیں ـ غرض جس طرف بھی رخ پھرتا ؛ حد
ظر تک ایک غیر محدود نا متنا ہي پرچم ' انگریزي اقبال کا لہراتا

ھوا نظر آتا.......... سوتے ھوئے شخص کے کمرہ میں دفعتہً تیز روشنی کر دیجائے تو وہ سمجھے گا کہ آفتاب نکل آیا - یہي حال اِس وقت قوم کا تھا - اضطرار قلب ؛ انتشار خاطر ؛ اختلال حواس و اجتماع حوادث کے وقت' دیو میں پري کا حسن و جمال معلوم ھوا ؛ عجوز ھفتاد سالہ پر نازنین شانزدہ سالہ کا دھوکا ھوا - دیر میں حرم کا تقدس دکھائی دینے لگا -

اب مغرب کا جادو ساري قوم پر چل گیا - علم و فضل کا معیار کمال یہ قرار پایا کہ انگریزي زبان آجائے ؛ تلفظ انگریزوں کا سا ھوجائے ؛ اور انگریزي علوم سے واقفیت ھوجائے - تہذیب و شائستگي کي معراج یہ تھري کہ کھانا انگریزي کھایا جائے ؛ لباس انگریزي پہنا جائے اور انگریزي تقلید میں خاندان مشترکہ کے وجود کو ذلیل سمجھہ کر ضعیف والدین اور دوسرے اعزہ سے قطع تعلق کرلیا جائے - شرافت و عزت کا منتہاے خیال یہ قائم ھوا کہ ھر ممکن ذریعہ سے انگریزي عہدے حاصل کئے جائیں - انگریزي حکومت کي برکات کا وعظ کہا جائے اور اپنے ھم وطنوں اور ھم قوموں کو نقصان پہونچا کر انگریزي دربار میں رسوخ حاصل کیا جائے ؛ عقل و دانش کا یہ مفہوم قرار پایا کہ ھر انگریزي مصنف کے ھر قول پر بے چوں و چرا ایمان لے آیا جائے اور اپنے علوم و فنوں ؛ اپنے شعائر و رسوم ؛ اپنے عقائد و خیالات کو یکسر اوھام کا لقب دے کر انگریزیت کے صنم دلربا کے قدموں پر نثار کر دیا جائے - اُردو زبان' اِس لئے حقیر نظر آنے لگي کہ یہ "سرکار" کی زبان نہیں - پردہ کي رسم اِس لئے غلامئی نسواں کی مرادف نظر آنے لگي کہ انگریزي خواتین کا شعار بے حجابي کا ھے - تعدد ازدواج کا دستور اِس لئے شرمناک محسوس ھونے لگا کہ انگریزي قوم ایک سے زاید منکوح بیویاں رکھنے کے ضابطہ سے نا آشنا ھے - عرش کے انکار پر سب سے قوي دلیل یہ قائم ھوئي کہ انگریزی ھیئت اور جغرافیہ

کي کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ـ شیاطین ، جنات اور ملائکہ کے وجود کے ابطال کے لئے یہ دلیل قطعي نکلي کہ انگریزي سائنس' کسی آلہ کي مدد سے اُن کا مشاہدہ نہ کرسکی ـ معجزات کا دعویٰ اِس لئے قابل مضحکہ ٹھہرا کہ مل اور اسپنسر اُن کے قائل نہیں ـ نبوت اور الوہیت کے عقائد میں اِس لئے رخنے پڑنے لگے کہ ھکسلے اور ھیوم متشکک رھے ھیں......

بہر حال یہ فضا تھي جس میں اکبر نے اپني آنکھیں کھولیں' یہ ماحول تھا جس میں اُنھیں اپنا پیام پہونچانا تھا..........فطرت کي جانب سے وہ ایک رسول ہوکر آئے تھے ـ اُن کا پیام اُسي تحریک مغربیت کے خلاف ردّ عمل تھا ـ اُن کی شاعری اول سے آخر تک اسي مادیت اور مغرب پرستي کا جواب ھے " ـ

اکبر نے زندگي کے ھر شعبہ پر اپنے مخصوص رنگ میں اظہار خیال کیا ھے ـ اُن کے یہاں بعض بعض الفاظ کے مخصوص معني اور مفہوم ھیں جن کو وہ اس لطیف انداز سے اپنے کلام میں لاتے ھیں کہ اُن کا پورا مفہوم واضح ھوجاتا ھے حالانکہ اُن کي تشریح کی جائے تو ورق کے ورق سیاہ ھو جائیں اور پھر بھي کافي طور پر دلنشین نہ ھو سکیں مثلاً نیٹو ، بابو ، مولوي ، کمسریت ، اُونٹ ، بسکٹ ، بدھو ، بفاتي ، صاحب ، شیخ صاحب ، لاٹ صاحب ، نزت ، ڈارون ، کالج ، ڈنر ، اسپیچ ، کونسل ، کیمپ ، پریڈ ، کمیشن وغیرہ ـ

اِسي سلسلے میں مناسب ھوگا اگر یہاں اکبر کے مسلک کا بھی ضمناً تذکرہ کر دیا جائے ـ اکبر مشرقیت کے دلدادہ اور "مولویت" سے بیزار ھیں ـ وہ باطن کو ظاھر پر فوقیت دیتے ھیں ـ وہ مغرب کی مادیت کو مذھب اور اخلاق کا دشمن سمجھتے ھیں ، وہ ھندوستان کي قومي تحریکوں کے حامی تھے ، لیکن ھر بونگ سے قطعاً بیزار تھے ، وہ شوھر پرست بیوی کو پبلک پسند لیڈي (Lady) پر ترجیح دیتے

ہیں ۔ غرض کہ وہ اِن تمام باتوں کے خلاف جنگ آزما تھے جن کا تعلق بد مذاقی ، کورانہ تقلید ، بے تمیزی ، اور تنگ نظری سے تھا ۔

اب یہاں بعض عنوانات کے تحت میں لسان‌العصر کے کلام کا جستہ جستہ نمونہ پیش کیا جاتا ہے ۔

ظرافت اور زندہ دلی :-

یوسف کو نہ سمجھے کہ حسین بھی ہے جواں بھی
شاید نرے لیڈر تھے زلیخا کے میاں بھی

---

دُھن دیس کی تھی جس میں گاتا تھا اک دیہاتی
بسکٹ سے ہے ملائم پوری ہو یا چپاتی

---

کشتی میں چندے دیا کیجئے
ترقی کے ہچّے کیا کیجئے

---

چھوٹیں جو گائے ماتا حسرت سے اونٹ بولے
افسوس شیخ جی نے ہم کو پتا نہ سمجھا

---

فرمائے ہیں یہ خوب بھائی گھورن
دنیا روٹی ہے اور مذہب چورن

---

عاشقانہ آپ کی وحشت نہیں ہے اے جناب
چندہ سے جب پوچھتے ہیں راہ ویرانے کی آپ

---

بلند تاپ میں تھے وہ بنگلے پر
صبح کے وقت هلس پڑي اک مہم
جب وہ بولے بجائے ککڑوں کوں
"مرغ شاخ درخت لاهو تیسم"

---

بوڑھوں کے ساتھہ لوگ کہاں تک وفا کریں
لیکن نہ موت آئے تو بوڑھے بھي کیا کریں

---

بسے برگیڈ میں جاکر رفاقت اس کو کہتے هیں
هوئے مدفوں تکئہ میں اصالت اس کوکہتے هیں

---

اولڈ مرزا هر طرف بدنام هیں
ینگ بدّهو وارث اسلام هیں

---

جس نے دل کو لے لیا هے دل لگي کے واسطے
کیا تعجب هے کہ تفریحاً هماري جان لے

---

کہاں اور کس طرف قائم کروگے یادگار ان کي
دم آخر یہ ذکر ان سے کرو، یٰسین کیا هوگي

---

وہ فقط وضع کے کشتہ هیں نہیں قید کچھہ اور
بھینس کو گون پنھا دیجئے عاشق هجائیں

---

بتائیں آپ کو مرنے کے بعد کیا هوگا
پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ هوگا

---

قوم کے غم میں ڈنر کھاتے ہیں حکام کے ساتھ
رنج لیڈر کو بہت ہے مگر آرام کے ساتھ

---

اسلام کی رونق کا کیا حال کہوں تم سے
کونسل میں بہت سید، مسجد میں فقط جمّن

---

حکم برٹش کا ملک ہندو کا
اب خدا ہی ہے بھائی صلّو کا

---

مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں
فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں

---

ممبر علی مراد ہیں یا سکھ ندان ہے
لیکن معائنہ کو وہی نابدان ہے

---

تھے معزز شخص لیکن ان کی لائف کیا لکھوں
گفتنی درجِ گزٹ، باقی جو ہے نا گفتنی

---

شیخ جی کے دونو بیٹے باہنر پیدا ہوئے
ایک ہیں خفیہ پولس میں ایک پھانسی پا گئے

---

مولوی صاحب نہ چھوڑیں گے، خدا گو بخش دے
گھیر ہی لینگے پولیس والے سزا ہو یا نہ ہو

---

سیاسیات :—

یہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام
یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے

---

کونسل میں سوال کرنے لگے
قومی طاقت نے جب جواب دیا

---

بوزنہ کو رقص پر کس بات کی میں داد دوں
ہاں یہ جائز ہے مداری کو مبارکباد دوں

---

سر افرازی ہو اونٹوں کی تو گردن کاٹئے ان کی
اگر بندر کی بن آئے تو فیض ارتقا کہئے

---

اکبر سے میں نے پوچھا اے واعظ طریقت
دنیائے دوں سے رکھوں میں کس قدر تعلق
اُس نے دیا بلاغت سے یہ جواب مجھکو
انگریز کو ہے نیٹو سے جس قدر تعلق

---

سہئے اتھر ایسے کہ سہیں جور رقل بھی
کان ان کے وہ نازک کہ گراں میری غزل بھی

---

جب آنکھ کو کھلنے میں ہو جھجک جب منہ میں زباں جنبش سے ڈرے
اس قید میں کیونکر جینا ہو اللہ ہی اپنا فضل کرے

کیا ناز ہو ایسی ساعت پر افسوس ہے ایسی حالت پر
یا جھوٹ کہے یا کچھہ نہ کہے یا کفر کرے یا کچھہ نہ کرے

---

بے گزٹ ہو کے جو چلئے تو محلہ میں حقیر
باگزٹ ہو کے جو رہئے تو فرشتوں میں خفیف

---

جو پوچھا مجھہ سے دور چرخ نے کیا تو مسلماں ہے
میں گھبرایا کہ اس دریافت میں کیا رمز پنہاں ہے
کروں اقرار تو شاید یہہ بے مہری کرے مجھہ سے
اگر انکار کرتا ہوں تو خوف قہر یزداں ہے
بالاخر کہدیا میں نے کہ گو مسلم تو ہے بندہ
و لیکن مولوي ہرگز نہیں ہے خانساماں ہے

---

مدخولۂ گورنمنٹ اکبر اگر نہ ہوتا
اس کو بھي آپ پاتے گاندھي کي گوپیوں میں

---

مذاق عشق :—
ہم آہ بھي کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

---

واہ کیا راہ دکھائي ہے ہمیں مرشد نے
کعبہ کو کردیا گم اور کلیسا نہ ملا

---

بتوں سے میل ' خدا پر نظر ؟ یہ خوب کہی
شب گناہ ' نماز سحر ' یہ خوب کہی

---

مچھلی نے ڈھیل پائی ہے لقمے پہ شاد ہے
صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی
حسرت بہت ترقی دختر کی تھی اُنھیں
پردہ جو اُٹھگیا تو وہ آخر نکل گئی

---

اب نہ جنگی علَم نہ جھنڈا ہے
صرف تعوید اور گنڈا ہے
کیا ہے باقی جناب قبلہ من
کچھہ حدیثیں ہیں ایک ڈنڈا ہے
سو وہ ڈنڈا بھی اب ہے ضبط پولس
ہے زباں گرم قلب ٹھنڈا ہے

---

دنیا میں ہوں دنیا کا طلبگار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں
گو دعویٰ تقویٰ نہیں درگاہ خدا میں
بت جس سے ہوں خوش ایسا گنہگار نہیں ہوں
افسردگی و ضعف کی کچھہ حد نہیں اکبر
کافر کے مقابل میں بھی دیندار نہیں ہوں

---

دین دنیا :—

خدا کے فضل سے بیوی میاں دونوں مہذب ہیں
حجاب اُن کو نہیں آتا اُنہیں غصہ نہیں آتا

---

کیا گذری جو اک پردے کے عدو رورو کے پولس سے کہتے تھے
عزت بھی گئی دولت بھی گئی بیوی بھی گئی اور زر بھی گیا

---

خامشی سے نہ تعلق ہے نہ تمکین کا ذوق
اب حسینوں میں بھی پاتا ہوں میں اسپیچ کا شوق

---

تعلیم کی خرابی سے ہوگئی بالاخر
شوہر پرست بیوی پبلک پسند لیڈی

---

ترقی کی تپیں ہم پر چڑھا کیں
گھٹا کی دولت اسپیچیں بڑھا کیں
رہیں ہر پھر کے آیا بی نصیبن
وہ گو اسکول میں برسوں پڑھا کیں

---

اک پیر نے تہذیب سے لڑکے کو اُبھارا
اک پیر نے تعلیم سے لڑکی کو سنوارا
کچھ جوڑ تو اُن میں کے ہوے بال میں رقصاں
باقی جو تھے گھر اُن کا تھا افلاس کا مارا
بیرا وہ بنا کمپ میں ' یہ بن گئیں آیا
بی‌بی نہ رہیں جب تو میاں پن بھی سدھارا

دونوں جو کبھی ملتے ہیں گاتے ہیں یہ مصرعہ
آغاز سے بدتر ہے یہ انجام ہمارا

---

اُٹھ گئے وہ جلسے متدور تھا خرد داری کا
نہ وہ تقویٰ نہ وہ تعلیم نہ وہ دل کی اُمید
ولولے لے کے نکلنے لگے کالج کے جواں
شرم مشرق کے عدو ' شیوۂ مغرب کے شہید !!

---

دو اسے شوہر و اطفال کی خاطر تعلیم
قوم کے واسطے تعلیم نہ دو عورت کو

---

شیخ صاحب ہی کا ہے بزم میں کیا رعب و وقار
کہ خواتین کو پبلک میں ہو وقعت کی امید

---

باپ ماں سے ' شیخ سے ' اللہ سے کیا ان کو کام
ڈاکٹر جدوا گئے تعلیم دی سرکار نے

---

تہذیب نو جسے تم کہتے ہو اس سے اکبر
دنیا بگڑ رہی ہے اب یا سدور رہی ہے
نقشوں کو تم نہ جانچو خلقت سے مل کے دیکھو
کیا ہو رہا ہے آخر کیسی گزر رہی ہے
دل میں خوشی بہت ہے یا رنج اور تردد
کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے

---

اک علم تو ہے بت بننے کا ' اک علم ہے حق کے پڑھنے کا
اُس علم کی سب دیتے ہیں سند' اس علم میں ماہر کون کرے
جب علم ہی عاشق دنیا ہو' پھر کون بتائے راہ خدا
جب خضر اقامت پر ہوں فدا ' تائید مسافر کون کرے
سودا بھی رنگ طبع بشر' فطرت ہی میں ہیں اسباب جنوں
اکبر کو بھی ہوش آجائے تو پھر' اس کام کو آخر کون کرے

---

تعلیم جو دیجاتی ہے ہمیں وہ کیا ہے فقط بازاری ہے
جو عقل سکھائی جاتی ہے وہ کیا ہے فقط سرکاری ہے

---

ترقی کی نئی راہیں جو زیر آسماں نکلیں
میاں مسجد سے نکلے اور حرم سے بیویاں نکلیں
مصیبت میں بھی اب یاد خدا آتی نہیں ہمکو
دعا منہ سے نہ نکلی پاکٹوں سے عرضیاں نکلیں

---

مذہب کے واسطے نہ شرافت کے واسطے
ہے اب تو جنگ حکم و تجارت کے واسطے
لے ہی گئے گھسیٹ کے مجھکو پریڈ پر
تیار ہو رہا تھا میں جنت کے واسطے

---

چرخ نے پیش کمیشن کہدیا اظہار میں
قوم کالج میں اور اُس کی زندگی اخبار میں
شوہر افسردہ پڑے ہیں اور مرید آوارہ ہیں
بیبیاں اسکول میں ہیں' شیخ جی دربار میں

---

مذہب ہے امر قولی سمجھو نہ فعل ذاتي
معذور سب ہیں اس میں گنگو ہوں یا وفاتي

---

شیخ جی کي نظر میں مَیں ہوں فقط
میري نظروں میں ساري دنیا ہے
بس یہي وجہ ہے کہ اے اکبر
مجھکو حیرت ہے اُن کو غصہ ہے

---

یہي فضائل یہي طبیعت ' رهي تو قسمت یہی رهیگی
زمانہ بدلے گا بھی تو پھر کیا، هماري حالت یہي رهیگي
عمل جب اپنے نہیں ہیں اچھے، تو ذکر عصیانِ غیر کا کیا
عدو کی قسمت بگڑ بھي جائے تو اپنی قسمت یہي رهیگي

---

عبث ہے نظم بلیغ فطرت جو رخ نہیں حسن مُدعا کا
حدیث عقبیٰ اگر غلط ہے تو کیا نتیجہ ہے ارتقا کا

---

رهتا بہت ہے شوق دلیل اور قیاس کا
مالک مگر نہیں ہوں میں اپنے حواس کا

---

ایک دن اور قیامت بھي کھسک آئیگي
اور کیا عرض کروں آپ سے، کل کیا ہوگا

---

روش ذهن بشر کي مدعي مطابق نہیں سمجھا
ترقي سے رہا محروم عادت کو یقیں سمجھا

---

صدیوں فلاسفی کی چناں اور چنیں رهی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وهیں رهی

---

جہاں هستی هوئی محدود لاکھوں پیچ پڑتے هیں
عقیدے ' عقل ' عنصر سب کے سب آپسمیں لڑتے هیں

---

جو حرا کے جاننے والے تھے صوفی هوگئے
داستان بدر والے شیعہ سنی هوگئے

---

اکبر اپنے رنگ میں منفرد رہے ' اُن کے رنگ میں بعض لوگوں نے لکھنے کی کوشش کی ' لیکن اتنے بھی کامیاب نہ هوئے ' جتنا مولانا ابوالکلام اور حسن نظامی صاحبان کے بعض متبع - حقیقت یہ هے کہ آزاد (محمد حسین) ابو الکلام اور حسن نظامی کا طرز انشاء اُن کی ذات هے ' صفت نہیں ' یہی معاملہ اکبر کے ساتھہ هے - جس طرح دنیا میں ایک طرح کی دو ذات یا انفرادیت نہیں هوتی اسی طور پر اُردو ادب میں ان بزرگوں کا جواب نہیں پیدا هوا ' ممکن هے ایسا هونا ناممکن بھی هو - یوں کہنے کو آزاد کے متبع آغا طاهر ' ابوالکلام کے عبدالرزاق ملیح آبادی اور حسن نظامی کے ظہور احمد وحشی کھینچ تان کر قرار دئے جاتے هیں' لیکن ''مولوی مدن'' کی ڈاڑھی کا جواب کب نظر آیا - یہاں اس کہنے سے یہ مقصود نہیں هے کہ اُن کا طرز انشا خامیوں سے پاک هے ' لیکن مشکل یہ هے کہ ان خامیوں کا بھی کہیں صحیح چربہ میسر نہیں آتا - مثلاً آزاد کبھی کبھی معنی اور مفہوم کی ذمہ داری یا الجھیڑوں سے بچنے کے لئے الفاظ یا فقروں کی بازیگری شروع کر دیتے هیں - مولانا ابوالکلام انھیں الفاظ اور

فقروں کو الوهيت اور نبوت کا جامه پنها دیتے هیں اور سامع یا قاري کا ذهن اور دماغ پرسُش کے بجائے پرستش کی طرف مائل هو جاتا هے - حسن نظامي اپنے الفاظ سے کبهي بچے معلوم هونے لگتے هیں اور کبهي مجذوب یا پهر ایسي رعایت لفظی پر اُتر آتے هیں جو اکثر نعمت خان عالی کو بهي سر بگریباں کرنے پر مجبور کر دیتي هے- با ایںهمه یه لوگ موجوده اُردو ادب میں ایسي قوت رکهتے هیں جو کم لوگوں کے حصه میں آئي هے -

خواجه حسن نظامي صاحب ایک جگهه فرماتے هیں —

"نثر میں سب سے بهتر ظرافت لکهنے والے مولوی محفوظ علي صاحب بی - اے - ساکن بدایون هیں - اُن سے زیاده نیچرل اور بے ساخته چلبلي اور از سر تا پا مرصع ظرافت کوئي نهیں لکهتا یا میرے علم میں نهیں هے .......... ان کے بعد بمبوق اور مسٹر شوکت علي کا نمبر هے - مسٹر ظفر علي خاں کو بهي مذاقیه مضامین کا خاص ملکه هے' مگر میں اُن کو ایک دوسرے فن کے اعتبار سے اول درجه دوں گا یعني وه کسي کی هجو کرنے میں ایسا کمال رکهتے هیں جس کي مثال اُردو نویسوں میں سوائے مرزا حیرت کے اور کهیں نهیں هے - اگرچه میں مرزا حیرت کو فوقیت دیتا هوں کیونکه وه آسان اور نهایت میٹهی زبان میں هجو کرتے هیں اور ظفر علي خاں ادق اور مشکل عبارت میں" -

پنچ کے دور کے بعد جس نے سب سے پهلے "پنچانه رنگ" کو ترک کرکے "اسپکٹیٹر" ( The Spectator ) سے قریب هونے کی کامیاب اور مستحسن کوشش کي هے اس میں سید محفوظ علي صاحب بدایوني ' سلطان حیدر جوش ' بمبوق یا اولڈ بوائے کے کهلندرے تهے همدرد (دهلي) کے ابتدائي دور میں " تجاهل عامیانه " کے ماتحت جیسے دلکش اور زعفران زار مضامین نکلے هیں وه تقریباً سب کے

حسب سید محفوظ علي صاحب کے قلم کے رهین منت تھے ۔ اس سلسلۂ مضامین میں بمبوق مرحوم اور محمد فاروق صاحب ایم ۔ ایس ۔ سي ۔ (علیگ) المعروف به "حاجي صاحب" کا نام بھی لیا جا سکتا ھے ۔

بعض دیگر انشا پردازوں کے مضامین کے خلاف سید محفوظ علیصاحب کا ھر لفظ کانٹے کا تلا معلوم ھوتا ھے اور وہ جو کچھہ کہنا چاھتے ھیں ' ایسا معلوم ھوتا ھے کہ اس کی حقیر ترین جزئیات پر بھي ان کو عبور ھے ۔ ان کا طرز بیان ' اور انتخاب الفاظ اپنے اندر بہت سي گہرائیاں لئے ھوتا ھے ۔ لیکن یہاں راقم‌السطور کو یہ کہنے میں بھي تامل نہیں ھے کہ سید صاحب رعایت لفظي کی گمراھیوں میں اکثر اسیر نظر آتے ھیں ' یہي رعایت لفظی اکثر ان کو تمثیلیہ (Allegory) کے پھندوں میں اُلجھا دیتي ھے ۔ رعایت لفظی کا آرٹ بے حد نازک ھے ۔ اس کے یہ معنے نہیں کہ سید صاحب اس آرٹ کے لطف اور نزاکتوں سے بے بہرہ یا بے خبر ھیں ۔ اُن کي قابلیت علمي اور ذوق صحیح اس قسم کي بد گمانیوں سے کہیں ارفع ھے ۔ ممکن ھے وہ اس کو اتنا اھم نہ سمجھتے ھوں!

ھاں تو کہنا یہ تھا کہ رعایت لفظي کا آرٹ حد درجہ نازک ھے ۔ اگر پڑھنے والے کو یہ محسوس ھوگیا کہ مضمون نویس نے صرف رعایت لفظی ملحوظ رکھی ھے یا یہ معلوم ھوگیا کہ محض ایک لفظ یا فقرہ کو نباھنے کے لئے پہلے یا بعد میں بے شمار الفاظ یا فقرے لکھنے پڑے تو میرا خیال ھے اس سے ایک طرف پڑھنے والے کا ذوق سلیم مجروح ھوتا ھے اور دوسري طرف لکھنے والے کي توھین ھوتي ھے ۔ رعایت لفظي کا کمال اس کي انتہائي بے ساختگی ھے' یہ کبھي نہ معلوم ھو کہ الفاظ کا استعمال صرف

الفاظ کے لئے کیا گیا ہے ۔ اس میں شک نہیں ابھی ہماری سوسائٹی کے افراد جو تعلیم یافتہ ' روشن خیال اور صاحب ذوق بھی کہے جاتے ہیں ' ضلع جگت یا رعایت لفظی پر سر دھلنے کے لئے آمادہ رہتے ہیں اور یہ لکھنے والے کا اچھا خاصہ انعام ہے ۔ لیکن میرا خیال ہے اور خود سید صاحب سے زیادہ اس حقیقت سے کون باخبر ہوگا کہ ایک اچھے لکھنے والے کا مخاطب صحیح شاعر ہوتا ہے ' مشاعرہ نہیں !

سید صاحب نے مضامین میں کبھی اپنا اصلی نام نہیں ظاہر کیا اور ایسا کیا بھی تو محض شاذ و نادر ' وہ ہمیشہ "انداز قد" سے پہچانے گئے اور یہی سبب ہے کہ ان کے مضامین کی فراہمی میں غیر معمولی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا ۔ راقم‌السطور مولانا ظفرالملک علوی صاحب قبلہ کا سپاسگزار ہے کہ ان کی وساطت سے مضامین کے کچھہ اجزا ہاتھہ آگئے جن کا جستہ جستہ اقتباس ہدیۂ ناظرین ہے :-

صاحب دین :-

"...........محققین عام ( چاہے وہ قدیم نظامات ارسطا طالیہ و فیثا غورثیہ سے تعلق رکھتے ہوں ' یا اسکولات ہکسلیہ و ڈارونیہ سے ) اس امر پر متفق ہیں کہ صاحب دین نوعی اعتبار سے حیوان ناطق کی ایک مضمحل سی شاخ ہے.........صاحب دین نے ہوش سنبھالتے ہی ایک نظر میں تاڑ لیا کہ قدیم تہذیب و تمدن کا بوسیدہ ڈھانچ کلیۃً پھونکدینے کے قابل ہے ۔ چنانچہ وہ اس کا قایل نہیں کہ اولاد پر والدین کے کچھہ حقوق ہوتے ہیں ۔ اس کی نظر میں یہ محض اتفاق ہے کہ باپ باپ واقع ہوا ہے ورنہ ہوسکتا تھا کہ وہ باپ ہو ۔

وہ زیادہ سے زیادہ "پیارے باپ" کا مستحق ہے اور اگر زیادہ ترقي کي گنجائش ہو تو "وہ بڈھا بیوقوف" کافي ہے - بھائي ایک رقیب ہے جسکے مقابلہ میں اپنے حقوق کا تحفظ لازمي و لا بدي ہے - اصلي عزت و عظمت کی مستحق زوجہ ہے نہ کہ ماں........

جسطرح ہمارے یوناني اطبا نے آلو - انڈے - دھی اور دنیا بھر کے کھانے پینے کی چیزوں کا مزاج نکال لیا ہے اور درجہ قائم کرکے یہہ قرار دیدیا ہے کہ کون چیز کس درجہ میں گرم ہے اور کسدرجہ میں سرد - کسدرجہ تر ہے اور کسدرجہ خشک ' معلوم نہیں اسیطرح صاحب دین کو بھي اشیاء ماکول میں سمجھکر کسي طبیب نے اسکا مزاج بھي نکالا ہے یا نہیں - اگر نہیں تو اس فرو گزاشت پر افسوس کرتے ہوے فقیر اپنا اجتہاد پیش کرتا ہے کہ میرے تجربہ میں صاحب دین ایک مختلف المزاج و الکیفیت چیز ہے - تفصیل اسکي یہ ہے کہ ایک صاحب دین کا مزاج کسي دوسرے صاحب دین کے مزاج ساتھہ تو ہمیشہ گرم تر رہتا ہے مگر غیر صاحب دین کے ساتھہ سرد خشک اور غصہ اور ریل کے سفر کی حالت میں گرم خشک ہوجاتا ہے اسیطرح کسی دوسرے صاحب دین کے لئے چاہے وہ فہرست چندہ لہ کر آئے یا دعوت چائے ' ایک صاحب دین ہمیشہ سریع الفہم ہے مگر غیر صاحب دین کیلئے چاہے وہ خفیف سی خفیف درخواست ہي لے کر آئے وہ نہایت بطي الفہم ہے........"

انگلستان پلٹ[1] صاحب دین کو لندن سے ناگفتہ بہ محبت ہے - اپنے

---

۱ - " انگلینڈ ریٹرنڈ " (England returned) کیلئے انگلستان پلٹ سے بہتر لفظ مجھے نہیں ملسکا اسلئے میں انجمن ترقي اُردو سے عموماً اور مولانا وحیدالدین صاحب سلیم سے خصوصاً درخواست کروں گا کہ اس لفظ کو وہ اپنے آغوش استعمال میں لے لیں - اس لفظ میں حالت منعولي کے علاوہ حالت فاعلي کا بھي پہلو نکلتا ہے - چنانچہ سال پلٹ کے ساتھہ ھی کایا پلٹ بھي ملحوظ رہے " -

قیام لندن کے واقعات کو بیان کرتے وقت اسکی زبان سے غیر معمولی طلاقت؛ اسکی آنکھوں سے غیر معمولی چمک، اور اسکے چہرہ سے غیر معمولی مسرت آمیز حسرت یا حسرت آمیز مسرت برسنے لگتی ہے اور آخر کار وہ بے تاب ہوکر کہہ اٹھتا ہے "پیارے پیارے اولڈ لنڈن ' کسقدر میں چاہتا ہوں کہ تیری آغوش میں جان دوں" عشاق کا اپنے محبوب کے قدموں (یا ذرا گستاخي سے کام لے کر) اس کے آغوش میں جان دینا تو دیوانوں کا پامال مضمون ہے۔مگر صاحب دین کي اس تمنا میں ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ وہ اگرچہ معاد کا قایل نہیں ہے اور اسے یقین ہے کہ ثواب و عذاب، حشر و نشر اور حیات بعدالموت مذھب کي سخن سرائي ہے لیکن آخر وہ مشرقي ہے ' بچپن کي بات کان میں پڑي دل سے مشکل سے نکلتي ہے اسلئے ڈرتا ہے کہ مبادا مشرق میں یہ باتیں سچي ہوں اور یہاں سے جانے والوں کیلئے وہاں روک ٹوک اور ڈرنطیلہ ہوتا ہو - مگر لندن والوں نے راہ اور مقامات کے موانعات صاف کر لئے ہونگے وہاں کي معرفت جاتے والوں سے فرشتے تعرض نکریں گے - یوں تو ہر صاحب دین کا ایک ہي مذھب ہے یعني یہ کہ مذھب قابل اعتنا نہیں لیکن عموماً دو گروہ ہیں - ایک وہ جنھوں نے بچپن میں پائنجامہ پہنا ہے اور ایک وہ جنھوں نے دھوتي باندھي ہے - اب دونوں گروھوں میں سے جو صاحبدین کونسل یا میونسپلتي کا ممبر ہوجاتے تو پاجامہ اور دھوتي میں آویزش رکھنا وہ سب سے بڑي مذھبي خدمت سمجھتا ہے - چنانچہ کونسل یا میونسپلتي میں اس قسم کے سوالات صرف اُمي کی ذات سے مذھب کي اعانت کا باعث ہوتے ہیں :-

۱ - کیا گورنمنٹ مہرباني کر کے بتائیگي کہ فلاں محکمہ کے چپراسیوں کي تعداد اسکے ہم مذھب افراد کي مردم شماري کے تناسب سے کیوں کم ہے ؟

۲ - میونسپل بورڈ نے اس سال جو نابدان بنائے ہیں انمیں سے اسکے ہم مذہب افراد کے ایک محلہ کی نالي ہے چند نیم پختہ اینٹیں لگانے سے اسکي ہم مذہب سکنا ء ' محلہ کي بڑي حق تلفی ہوئي ہے - بورڈ کو چاہئے کہ وہ اینٹیں نکلوا کر سرخ پختہ اینٹیں لگوا دے -

شیخ سماءاللہ کي صاحبزادیاں :-

"یہ جو پان کھائے آنکھوں میں سرمہ' دانتوں میں مسّي' اور ہاتھوں میں مہندی لگائے' ڈھیلا ڈھالا کرتہ پائجامہ پہنے' ہلکا دھانی ڈوپٹہ اوڑھے قطب کو پیٹھ کئے تکیہ لگائے بیٹھي ہیں آسیہ بیگم ہیں جو عمر و تجربہ کے اعتبار سے' چال ڈھال کے اعتبار سے' شکل صورت کے اعتبار سے' قدوقامت کے اعتبار سےسب میں بڑی ہیں اور اِسی لئے سب بہنیں اِنھیں بڑي آپا کہتي ہیں - قیافہ بتا رہا ہے کہ بچپن اور جواني کے دوپن عیش و آرام اور مسرت و اطمینان سے گزرے ہیں' تیسرا پن یعني بڑھاپا آیا تو آلام و افکار کو ساتھہ لایا' جنھوں نے کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے کردیا - مگر ضبط کہتا ہے" خبردار جو ایک حرف بھي زبان سے نکلا " چنانچہ آفریں ہے اس کوہ وقار کو کہ چھاتي کے کواڑ بند کئے دل میں حسرتیں اور مُنھہ میں گھنگنیاں بھرے بیٹھي ہیں - مجال کیا جو دل کا ترجمان زبان کو بنائے - آسیہ بیگم کے داہنے ہاتھہ پر جو سیہ فام خاتون آدھی ساري باندھے آدھي اوڑھے' سر کے جھلسے اور اینٹھے ہوئے بالوں میں کوڑیوں اور جھوٹے موتیوں کي لڑیاں لٹکائے' گلے میں کہربا کے دانوں کي مالائیں' ہاتھوں میں عاج کي چوڑیاں اور پاؤں میں چپلیں پہنے بیٹھي ہیں اور جو سب میں زیادہ مفلوک‌الحال اور شکستہ بال معلوم ہوتی ہیں آفري خانم ہیں جنھیں آسیہ بیگم تو افري افري کہتي ہیں مگر باقي اور بہنیں سانولي آپا کہکر پکارتي ہیں آفري خانم کے داہنے ہاتھہ کو جو دھاري دار سایہ پہنے ٹوپ اوڑھے عینک لگائے ناک بھوں چڑھائے سب سے زیادہ متین یا مغرور مگر یقیناً سب سے

زیادہ متمول الگ بیٹھی بلکہ لیٹی ہیں یہ امری خانم ہیں جنھیں آسیہ بیگم تو امری اور باقی بہنیں نئی باجی کہکر پکارتی ہیں۔ آسیہ بیگم اور افری خانم کے سامنے اور امری خانم کی طرف منھ کئے جو نیم مشرقی نیم مغربی وضع بنائے ننگے پاؤں ساری باندھے چھوٹا کوٹ پہنے کالر لگائے ٹوپ اوڑھے بیٹھی ہیں "یہ برعکس نہند نام زنگی "کافور" حسینہ بیگم ہیں لیکن پانچویں جو یقیناً سب سے چھوٹی ہیں آسیہ بیگم کے داہنے ہاتھ سے کچھ فاصلہ پر مغرب کی جانب افری خانم کے پیٹھ پیچھے کھڑی ہوئی ہیں۔ ...... روپا بیگم ہیں ''

اسکی فرہنگ بقول سید صاحب "برخوردار طولعمرہ" نے یوں پیش کردی' ایشیا سب سے بڑا براعظم ہے' افریقہ ایشیا سے مغرب کی طرف ہے اسے تاریک براعظم کہتے ہیں ' امریکہ سنہ ۱۴۹۲ ع میں دریافت ہوا اس لئے نئی دنیا کہلاتا ہے اوشنیا ایشیاء کے جنوب و مشرق میں واقع ہے۔ یورپ سب سے چھوٹا بر اعظم ہے ! "

اروپا :۔ بڑی آپا سلام ۔

آسیہ :۔ جیتی رہو ٹھنڈی سہاگن' دعا دینے کو تھی کہ دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو ۔ مگر درخواست سے پہلے ہی منظوری کا اثر دیکھہ رہی ہوں ۔ خود نہانا تو کوئی بات نہیں تم دودھہ سے دوسروں تک کو نہلوا رہی ہو* ماشاء اللہ وہ کثرت ہے کہ گاڑیوں میں بند ہو ہوکر ایرا غیرا کے گھر پہونچ رہا ہے ۔ پوتوں کی یہ کیفیت (بھئی برا مت مانیو میں ہونستی نہیں اور تمہاری سگی بہن ہوکر بھانجوں کو ہونسوں تو مجھہ خالہ پر تف ہے) اپنے گھر کا

---

* ملاحظہ ہو ' ملک سوپ ' یعنی دودھہ کا صابن !

تو ذکر کیا دوسروں کے گھروں میں ایسے پھل رھے ھیں
جیسے کڑوي تومڑي -

روپا :- یہ سب آپ بزرگوں کي دعا کا اثر ھے -

آسیہ :- کہو بہن برطو ' فرسو ' سلفو' املو کہاں تک نام لوں
سب بچے بچي اچھے ھیں -

روپا :- جي ھاں سب اچھے ھیں -

آسیہ :- برطو بیچارہ تو بڑا گڈو ھے - فرسو بانکا چھیلا ھے
سلفو متافیل ھے......سنا ھے گھنا ھے ' املو کو میں نے
عرصہ سے نہیں دیکھا ھے پچھلے دفعہ جب تم لیکر آئي
تھیں تب تو بڑا شریر اور چلبلا تھا....ھونہار اور
چونچال ایسا تھا کہ دولے کو پچھاڑے -

روپا :- جي ھاں ' ابتو بڑا ھوگیا ھے' جھگڑالو بہت ھے ' بھائیوں کو
چین نہیں لینے دیتا ' آپنے برطو ' فرسو ' سلفو کو تو
ایسا ھلا لیا ھے کہ ھر وقت آپ ھی کے پاس بیٹھے
رھتے ھیں - میں بہتیرا بلواتي پکڑواتي ھوں مگر آپ
کا گھر ایسا بھایا ھے کہ ھٹلے اور ٹلنے کا نام ھي
نہیں لیتے ۔

آسیہ :- اے ھے تلنا کیسا ' آنکھوں سکھہ کلیجے ٹھنڈک ' ماں
اور خالہ میں فرق ھي کیا ھوتا ھے - سنا نہیں
" ماں مرے ماسي جئے " ھاں اتني بات ضرور ھے
کہ تمھارے یہاں کا سا عیش ،مجھہ غریب کے گھر کہاں -

روپا :- آپا ! برا نہ مانو تو کہوں -

آسیہ :- شوق سے کہو بڈھوں کے اچھا برا ماننے کي پروا' جوان
نہیں کیا کرتے -

روپا :۔ آپ کے گھر میں اسقدر غربت نہیں جسقدر بدتمیزی ' پھوہڑپن اور گھڈون پن ہے ۔ کسیکو کھانے کا سلیقہ نہیں ' پہننے کی تمیز نہیں ' انتظام کی عقل نہیں '

آسیه :۔ ( آہ سرد بھر کر ) ہاں بہن سچ کہا ' خدا کی شان ' کبھی ہم بھی آس پڑوس میں تمیز والے سمجھے جاتے تھے ' سینا پرونا ہم جانتے تھے ' کھانا ' کھانا پکانا ہم جانتے تھے ' آج پھوہڑ ہم ' بد تمیز ہم ' گندے ہم ' گھلونے ہم ' مگر اسکی وجه جانتی ہو ' آیا پیسه آئی مت ' گیا پیسه گئی مت ۔ گانٹھه میں دام تو سب کریں سلام''

موجودہ دور میں مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی ' مولانا ابوالکلام آزاد ' مولانا ظفر علی خاں اور قاضی عبدالغفار ' طنزیات میں ید طولیٰ رکھتے ہیں ہر ایک کا نشانه طنز' انگریز' انگریزی حکومت اور انگریزیت ہے ۔ علحدہ علحدہ ان کے کلام اور مضامین پر اظہار خیال کرنا طوالت کا باعث ہوگا ۔ راقم السطور کا خیال ہے کہ ان کے تمامتر مضامین یا مسالک کا خلاصه یه ہے -

مولانا عبدالماجد کی طنز میں تلخی اور زہرناکی کا عنصر غالب ہے اور ان سب پر بقول سید سلیمان ندوی صاحب ''مولویت'' طاری ہے - ان کی طنزیات پوپ کی طنزیات کا نمونه ہیں ۔ یه اُردو کے لینڈلینڈ بھی قرار دئے جاسکتے ہیں جن کو جماعت کے موجودہ اور مقررہ نظام میں عافیت اور جمعیت کا کوئی شائبۂ نظر نہیں آتا ۔ برخلاف اس کے ظفر علی خاں ہیں جن کے ہاں شدت ہے ' لیکن زہرناکی کا گزر نہیں - ظفر علی خاں کی طنز میں عملاً قوت اور بیداری پائی جاتی ہے - ان کی تحریروں سے پته چلتا ہے کہ وہ اپنی طنز کو منوا بھی سکتے ہیں - ان کے یہاں

بد دعائیں یا عذاب الیم کي "بشارتیں" نہیں ملیں گی - وہ "تپش" کے قائل ہیں "تپشیا" کے نہیں' یہي کیفیت ابوالکلام کي ہے - لیکن ظفرعلي خاں اور ابوالکلام جہاں ایک دوسرے سے علحدہ ہوجاتے ہیں وہ بھي نمایاں ہے - ابوالکلام کي مثال اس پہلوان کي ہے جو وسط میدان جنگ میں "مبارز طلب" ہو اور دوسروں کا نہیں بلکہ اپنے رجز سے خود اپنا دل بڑھا رہا ہو - ظفر علي خاں صرف "آرڈننس شکني" پر آمادہ نظر آتے ہیں - ان کي رجز میں تھوڑا سا حسن طلب بھي ہوتا ہے اور یہ طلب ممکن ہے کبھي اپنے ہي اعوان و انصار سے ہو پھر غیر موجود یا غیبي طاقتوں سے - وہ دوسروں کو آمادہ کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں' اپني آمادگي سے بحث نہیں - تیسري طرف قاضي عبدالغفار ہیں - ان کی طنز ایک حد تک "ڈرائنگ روم" کی طنز ہے - نہایت نازک ' نہایت ستھري ' نہایت حسین ' تیز چمکتي ہوئی ' جیسے کسي ماہر فن کے ہاتھہ میں عمل جراحی کے لئے ایک نشتر ہو! ان کي طنز ایک طور پر کتابي طنز ہے' پڑھئے اور انشا پرداز کو داد دے لیجئے-نہ ڈرنے کي ضرورت ہے اور نہ کسي آمادگی کي حاجت!

ان تمام خیالات کو اور مختصر کیا جا سکتا ہے مثلاً مولانا ماجد' اصلاح سے مایوس ' ابوالکلام اصلاح سے بے نیاز' ظفرعلي خاں آمادۂ اصلاح ' قاضی عبدالغفار ان سب کے حد اوسط!!

مولانا عبدالماجد صاحب بي ' اے ' دریابادي

ماخوذ از "سفر حجاز"

"بمبئي ہندوستان کا شاید سب سے بڑا "یاجوجي" شہر ہے' لندن اور پیرس' نیویارک اور شکاگو کی زیارت سے جو لوگ مشرف نہیں ہوے ہیں وہ اُنکا ایک ہلکا سا نمونہ بمبئي میں دیکھہ سکتے ہیں -

ویسی هی ہر طرف آسمان سے باتیں کرنیوالی اونچی اونچی عمارتیں ' وہی روپیہ کی گرم بازاری' وہی دوکانداری میں انہماک' وہی عیش کی فراوانی' وہی چستی او نفس پرستی' وہی برق و دخان کی پرستاری' وہی ملوں انجنوں اور کارخانوں کا زور' وہی ریل ٹریم اور موٹر کاروں کا شور' وہی صبح سے لیکر رات تک اور شام سے لیکر صبح تک چیختے اور چلاتے ہوے شور مچاتے اور دھواں اُڑاتے' ڈھکیلتے اور کچلتے ہوے یاجوج کی بے چینی اور بے قراری' بھاگ دوڑ' شور وغل' چیخ پکار' شورش و اضطراب' دن کو چین نہ رات کو سکون' اور اسی کا نام اس دور یاجوجی میں "ترقی" و "تہذیب" ہے - حیرت صرف اسپر ہے کہ اس غلبہ یاجوجیت کے باوجود اب تک یہاں کی مسجدیں کیونکر اسقدر آباد و پر رونق ہیں اور اتنے نمازی اور دیندار مسلمان یہاں کیسے نظر آتے ہیں "

"....آج یہ مہیب اور لق و دق سمندر' اور کرۂ ارض کے سارے معلوم سمندر' یا جوج کے قبضہ میں ہیں وہ جسے چاہے اسمیں جہاز اور کشتی چلانے کی اجازت دے اور جب جسکو چاہے اللہ کی کاریگری کے اس نادر نمونہ سے فائدہ اُٹھانے سے روک دے ! خلق خدا کی ہو تو ہو لیکن سمندر اور سمندروں کے بندرگاہ ' جہاز اور اُنکے پھریرے ' محکمہ بحری اور خداوندان بحر ' تارپیڈو اور ڈرڈناٹ ' کروزر اور ڈسٹرائر ' آج ہانکے پکارے کہہ رہے ہیں کہ امر ' اور ' حکم ' (نعوذباللہ) یاجوج کا ہے - پھر اگر ایسی حالت میں آپ کسی سچے کا قول سنتے ہیں کہ " یاجوج و ماجوج سمندر کا پانی پی جائینگے " تو آپ اس پیشینگوئی کے پوری ہونے کے لئے کسی زمانہ مستقبل کا کیوں انتظار کرنے لگتے ہیں "—

"......ایک روز یہ سارا بحراعظم یا سارا لق و دق سمندر موجیں مارتے ہوئے پانی کے بجائے آگ کے لپکتے ہوئے شعلوں اور

دھوئیں کے تیرہ و تار بادلوں میں تبدیل ہو کر رہے گا ۔ یہ دن وہ ہوگا جب یاجوج اپنے مایہ ناز جنگي جہازوں اور آبدوز کشتیوں ' اپنے تیل کے چشموں اور اپنے پٹرول کي بھڑکائی ہوئي آگ کے شعلوں سے ' لنکا کے راون کی طرح خود ھی جل رہا ہوگا ۔ اور جب اسکي حرص و ھوس اسکي ملک گیری اور زرپرستي' قیصریت (امپریل ازم) اور کپٹل لزم ( سرمایہ داري ) کے انگارے سمندر میں آگ لگا لگا کر خود اسي مادي دنیا میں اسے دوزخ کا نمونہ دکھا رہے ہونگے ! یہ وہ دن ہوگا جب ارشاد رباني و انذار سجرت کي تفسیر و تاویل کے لئے نہ تفسیر کے اوراق الٹنے کي ضرورت ہوگي نے اهل لغت کے کلام سے سند لانے کي بلکہ عالم و عامي سب اپنے آنکھوں سے مجاز کا نہیں حقیقت کا مشاهدہ کرلینگے ۔ آج یاجوج کو مہلت ھے آج وہ جتنا بھي چاھے ہمارے دلوں اوو دماغوں کو ھماري عقلوں اور ذهنوں کو، ھماری آنکھوں اور کانوں کو اپنے اقبال و حشم سے اپنی تہذیب اور تعلیم سے ' اپنے علوم اور اپنے فنون سے ' اپنے ڈاکٹروں اور اپنے انجینروں سے ' اپني سائنس اور اپنے آرٹ سے اپني توپوں اور اپني رائفلوں سے ' اپني مشین گن اور اپني سنگینوں سے ' اپنے خزانوں اور اپنے طیاروں سے مرعوب اور مخبوط اور مفلوج کرلے لیکن یہ ملہت سدا رھنے والی نہیں اور کسے خبر کہ پردہ اٹھنے کا وقت قریب ھي آن لگا ہو "

---

"......دعا کے الفاظ بہتوں نے دھرائے ہونگے ۔ خدا معلوم کسي کے دل سے ان قوموں کی بھي تباهي و بربادي کي دعائیں نکلیں جو آج چودھویں صدی ھجري میں کعبہ اور ربکعبہ کي

عداوت میں اُس پرانی اور برباد شدہ قوم سے کہسی بڑھی ہوئی ہیں ' جنکي جلدیں سفید ہیں مگر جن کے دل عداوت حرم میں حبشہ اس قوم کے چہروں سے کہیں زیادہ ہو چکے ہیں اور جن کو ابرھہ کے ھاتھیوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر آج اپنے توپ خانوں ھوائي جہازوں اور مسلح موٹرکاروں پر دعوی اور غرہ ھے ؟ ''

---

مولانا ابوالکلام آزاد کے یہاں خطیبانہ جوش و ھیجان ھے اس باب خاص میں اُن کا مسلک جورنل سے ملتا جلتا ھے - اُنھوں نے طنزیات میں خطابت کا نہایت شاندار ' پرزور اور حیات‌آفرین نمونہ پیش کیا ھے - اُن کی تحریر فن انشا و ادب میں ڈرامہ کي حیثیت رکھتی ھے ' ھر لفظ ' فقرہ یا خیال ایکٹر معلوم ھوتا ھے جس میں قوت بھي ھے اور حرکت بھي ' نمونہ حسب ذیل ھے -

'' بے شک مدتوں کے بعد بلند ٹوٹے جس کو کفر کہا تھا اُس کے ثواب و طاعت ھونے کا فتوی دینا پڑا - لیکن کیونکر اپنی قوت سے ' اپنے دماغ سے ' اپني ھستي اور اپنی روح سے ' یہ نہیں بلکہ ' ع -

ایں ھم بسعی غمزۂ مردم شکار دوست !

پہلے جن کے حکم سے گمنامی کے غاروں میں چھپے تھے اب اُنھیں کے حکم سے باھر نکلے تاکہ مندر میں جاکر اُن کے آگے سر بسجود ھوں - بے شک شملہ ڈیپوٹیشن کے تماشہ کے بعد اُس کا آخري پارٹ کھیلا گیا اور اُس کا نام لیگ رکھا گیا - لیکن اگر تم ایک برف‌خانہ بناکر اُس کا نام آتشکدہ رکھدوگے تو کیا برف کی سل آگ کا انگارہ ھو جائے گي..........پالٹیکس ایک

آگ ہے جو خود بھڑکتي ہے اور پھر بھڑکائي جاتي ہے ' وہ برف کا گلاس نہیں ہے جو کسي سرد مہر ساقي کي بخشش پر موقوف ہو..........ہندو مسلمان کا سوال بھي ایک بازیگر کا کھیل ہے اور بدبختي سے ناچنے والے ناچ رہے ہیں ' فوج میں پھوٹ پڑ گئي ہے اور غنیم مطمئن ہے - یہ خیال کہ تم نے ابھي تعلیم میں نہیں ترقي کي ہے اِس لئے تمھاري پالٹیکس یہی ہے کہ پہلے ہندوؤں سے اپنے غصب کردہ حقوق چھین لو ' غور کرو حریف شاطر کي کس قیامت کي چال تھي -

وہ رھزن اور پھر ایسے کمین سے ؟؟ !

"سب سے پہلے یہ ہوا کہ ملک میں کام کرنیوالي اصلي جماعت یعنے ہندوؤں سے مسلمان علحدہ ہوگئے اور اس طرح عرصہ تک کے لئے ملکي مطالبات کی فتحیابي سے گورنمنٹ مطمئن ہوگئي ساتھہ ھي اسکے یہ بھي ضرورت تھي کہ ان کو بےکار نہیں رھنا چاھیے ورنہ بے کاري سے اُکتاکر راستہ کي تلاش میں ضرور نکلیں گے - کوئي مشغلہ ایسا ہونا چاھیے - جو عرصہ تک انکو اپنے میں الجھائے رکھے اور اصلي کاموں کی طرف متوجہ ہونے کي فرصت نہ دے - تعلیم کو مسلمان پہلے سے تجے بیٹھے تھے ( اور یہ خیال في نفسہ غلط نہ تھا ) اسلئے اسي اعلیٰ تعلیم کے بال و پر کو پھیلا کر ایک ایسا الف لیلہ کا عجیب الخلقت پرند بنا دیا جو اپنے پروں کو کھولدے تو سورج کو زمین کي طرف جھانکنے کے لئے کوئي سوراخ نہ ملے - مسلمانوں نے اس عجیب و غریب مرکب کو براق سمجھا اور یقین کرلیا کہ ھمارے سفر معراج کیلئے آسماني سواري اتری ہے - چالیس برس گذر گئے اب تک اس مرکب کی لگام ویسی ھي ڈھیلي ہے جیسے پہلے دن تھي اور منزل لامکاني

کا پتہ نہیں - قوم کی وہ قوتیں جو یقیناً زمانہ کے قدرتی اثرات سے متاثر ہوکر ملکی تحریکوں میں صرف ہوتیں تمامتر صرف ایک اعلیٰ تعلیم کے شور و واویلا کے پیچھے متادیگئیں اور جبکہ ہم سے ایک دیوار کے فاصلے پر ملک کی جائز آزادی' ملکی حقوق کے مطالبات' اعلیٰ قوانین کی ترمیم و تنسیخ ملکی نظم و نسق کے مباحث اور افکار کی سرگرمیوں میں ہمسایوں کے جذبات و امیال صرف ہو رہے تھے' ہم اپنی کانفرنسوں' اپنے بڑے بڑے مجمعوں' اپنی شاندار تقریروں' اپنے قومی اخباروں کے صفحوں کے اندر صرف ایک افسانہ تعلیم کی سرد لاش اٹھائے پھرتے تھے'' -

---

"لیکن خون بہانے کی ایسی شیطانی قوتیں' آگ برسانے کے ایسے جہنمی آلے اور موت و ہلاکت پھیلانے کی ایسی اشد شدید ابلیسیت تو کسیکو بھی نصیب نہیں ہوئی - زمین کی پشت پر ہمیشہ درندوں نے بہت بلائے اور اژدھوں نے پھنکاریں ماریں' مگر نہ تو ایسی درندگی ابھی تک کسی میں تھی جیسی موجودہ متمدن اقوام کی قوتوں کو حاصل ہے اور نہ اب تک ایسا سانپ اور اژدھا پیدا ہوا جیسے کہ ان لڑنے والوں میں سے ہر فریق کے پاس ڈسنے' نگلنے' اور چیرنے پھاڑنے کیلئے عجیب عجیب ہتھیار جمع ہیں - پھر اس اژدھے کو دیکھو جو جنوب سے منھہ کھولے بڑھ رہا ہے' اس ہاتھ . کو دیکھو جو مشرقی یورپ کے بہت سے جھپٹتا ہوا اٹھا ہے' اور اس خوفناک چیتے کو دیکھو جو لامارک اور روسو کی سر زمین میں خون اور گوشت کیلئے پلا ہے یہ کیسے عجیب ہیں! یہ کیسے خوفناک آلات سے مسلح ہیں؟ ان سب کا باہم ایک دوسرے پر گرنا اور چیرنا پھاڑنا کرہ ارضی

کا کیسا ہولناک بھونچال ہوگا ' ایسا بھونچال جو کبھي نہیں آیا ' ایسا طوفان جو کبھي نہیں اٹھا - ایسی آتش فشاني جو کبھی نہ ہوئی - اور خداوند کا ایسا قصہ جو اب تک کبھي زمین پر نہ ہوا......پس ضرور تھا کہ غرور و طغیان کي کوئی حد ہوگي ' عجب نہیں کہ مہلت ختم ہوگئي ہو اور کچھہ اچنبھا نہیں اگر ارض الہی کے امن کے لئے ' بندگان خدا کي راحت کے لئے اور کمزوروں کو سکھہ کي نیند سلانے کے لئے انکا خون انہیں کے ہاتھوں بہایا جائے جنھوں نے دوسروں کا خون اپنے ہاتھوں بہایا اور اسطرح عدالت الہي ان قوتوں کا حساب لے جو صدیوں سے تمام دنیا کے اعمال کا حساب لے رہے ہیں........
پس یہ ہے اُس مقدس تعلیم کا آخري ظہور جو دنیا کے سامنے ہے اور یہ ہے وہ پاک امانت جو " شہزادۂ امن " نے اپني نسل کو دي تاکہ وہ آسماني بیٹے کے باپ کہلائیں "

---

مولانا ظفر علیخاں لاہور -

" .......انصاف اور رحم کے جذبات نے اگر جہاں کشا اقوام میں سے ایک آدھ کے سینہ میں پرورش پائي ہو تو یہ فسانہ عہد قدیم کي ایک دل آویز فصل ہے جو صرف آرائش سخن کا کام دے سکتي ہے ورنہ آج انصاف کہاں اور رحم کیسا ؟ یہ دونوں الفاظ تو تہذیب جدید کی لغات میں سرے سے مفقود ہیں یا اگر ہیں تو شرمندہ معنی نہیں - آج دنیا کا نظام حکومت جن اخلاقي قوتوں کي بنیاد پر قائم ہے وہ غرق آہن جہاز ہیں اژدردم توپیں ہیں ' فلک پرواز طیارے ہیں - قطار اندر قطار عسکریوں کي جگر گزار سنگینیں ہیں - صف

اندر صف پولس کي جمعیتہ فرسا لاٹھیاں ھیں جن سے جابرانہ قوانین کي ھیبت زیردستوں کے قلوب میں بٹھائي جاتي ھے.........

ملوکیت کا یہ عفریت لعین جسلے عسکریت کي گود میں پرورش پائي ھے آج ربع مسکوں پر چھایا ھوا ھے اور ناتوانوں کے جسم کي بوٹیاں نوچ نوچ کھا رھا ھے ' مغرب اس خونخوار دیو کا زاد بوم تھا - کاش یہ اپنے ھی وطن میں رھتا مگر اسلے ایشیا کو بھي اپنا گھر بنالیا اور اس وقت مشرق اقصیٰ اسکي جھنمی سرگرمیوں کا مرکز بنا ھوا ھے - ۱۸ ستمبر سنہ ۳۱ع کي خونچکاں تاریخ چین کے چالیس کروڑ باشندوں کو مدتوں نہ بھولےگی اس لئے کہ اس‌دن ان کي فوجي کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر جاپان کے عسکریت پرستوں نے جن کی نخوت کا سر روس کو نیچا دکھانے کے وقت سے آسمان تک اونچا ھوگیا ھے کسي قسم کا التي میٹم دئے بغیر ' کوئي معقول حجت پیش کئے بغیر دفعۃً ایک ھی ہے جگرانہ تاخت میں..........اور تمام دوسرے اھم جنگي نقاط پر قبضہ کر لیا اور اس بدعہدانہ یلغار میں قتل و غارت کے ایسے ایسے آدمیت سوز نظارے دنیا کو دکھائے جو زمانۂ قدیم میں یا تو چنگیز اور ھلاکو نے دکھائے تھے یا حال میں یورپ کے سورماؤں نے دکھائے ھیں ،، -

---

''.......زیرسایہ ھماپایہ برطانیہ ھندوستاني ریاستوں کي اندروني آزادي کي کیسي دلکش تصویر ھے ! والیانِ ریاست ھائے ھند کے ناموس فرمانروائي کي حفاظت کیسا شاندار ادعا ھے - مگر یہ ساري دلخوش‌کن باتیں کچھہ حقیقت بھي رکھتی ھیں یا چند الفاظ کا محض ایک نظرفریب مجموعہ ھے جس سے لندن کا

ھزارشیوہ مداری والیانِ ریاست ھائے ھند کو نظربند کرنا چاھتا ھے !!

ھندوستان میں سب سے بڑی ریاست حیدرآباد دکن ھے جو رقبہ میں فرانس کے برابر ھے - جسمیں خدا کی ایک کروڑ چالیس لاکھہ مخلوق بستی ھے جسنے عہد ماضی میں برطانوی ملوکیت کے قصر فلک بوس کی بنیادیں اپنے خون کے گارے سے ھندوستان میں استوار کیں..........مگر دکن کا ایک پتہ بھی وائسرائے ھند کے حیدرآبادی گماشتہ یعنی رزیڈنٹ کی مرضی بغیر ھل نہیں سکتا دکن کا فرماں روا اصف جاہ ھفتم نہیں بلکہ اس وسیع و عریض مملکت کے سیاہ و سفید کے مالک جناب حیدری ھیں یعنی جناب ترنچ ھیں یعنی جناب رزیڈینٹ ھیں یعنی جناب لارڈ ولنگڈن ھیں یعنی خود بدولت و اقبال جناب ریمزے مکڈانلڈ ھیں..........اب جنوب سے شمال کی طرف آئے - کشمیر کی ریاست رقبہ میں یورپ کی چھوٹی چھوٹی مملکتوں کو شرماتی ھے جسکی آبادی بلغاریہ کی آبادی کے برابر ھے جسنے انگریزوں کی ملوکیت کے آستانہ پر ھمیشہ سجدہ کیا جسنے اپنی حلیفانہ فرائض کی انجام وھی میں ھر طرح کی مالی اور جانی قربانیاں آئے دن پیش کیں..............کشمیر کا فرماں روا آج مہاراجہ ھری سنگھہ نہیں بلکہ جناب راجہ ھری کشن کول ھیں یعنی جناب گلسنی ھیں یعنی جناب لثمیر ھیں یعنی جناب لارڈ ولنگڈن ھیں یعنی خود جناب ریمزے میکڈانلڈ ھیں -

برطانیہ کے ارباب حل و عقد ھندوستان کے دیدۂ فراست میں لندن کے چوراھے کی خاک کی مٹھیاں بھر بھر کر جھونکنے

کے بجائے اگر سچی بات خواہ وہ کیسی ہی کڑوی کیوں نہ ہو کہدیا کریں تو ہمیں کوئی شکوہ نہ ہو غصہ اگر آتا ہے تو اس بات پر کہ زہر دیتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ اسے شہد سمجھو ' غلامی کے طوق گلے میں ڈالتے ہیں مگر اصرار کرتے ہیں کہ اسے آزادی کا گجرا تصور کرو ۔

کاش حکومت انگریزی کو اپنے قول اور فعل میں تطابق پیدا کرنے کا خیال بھی کبھی آجائے کاش اس کا باطن بھی وہی ہو جو کبھی کبھی اسکا ظاہر ہو جایا کرتا ہے "

" ہنوز دہلی دور است " (از ظفر علی خاں) ۔

---

کشمیر ہے کہیں تو کہیں کانپور ہے
پیدا ہر ایک گوشہ سے یوم نشور ہے
ہے تار تار پیرہن امن و عافیت
زخموں سے جسم بنگلہ‌ی چور چور ہے
زینت ہے اس زمانہ میں نسیاں کے طاق کی
وہ مسلک قویم جو خیرالامور ہے
ہے شیخ کا دماغ توازن سے بے نیاز
اور برہمن کی عقل کے اندر فتور ہے
لکھی ہوئی ہیں سر پہ غلامی کی لعنتیں
ہے 'ست بچن' کہیں تو کہیں 'بنی حضور' ہے
آپس کی پھوٹ کر کے رہیگی ہمیں تباہ
سمجھیں یہ نکتہ ! کب ہمیں اتنا شعور ہے
لندن کی گول میز کو یاروں نے جا لیا
لیکن یہ قافلہ ابھی دہلی سے دور ہے

اسوقت تک اگر نہیں آزاد ہو سکا
ہندوستان خود یہ تیرا ہي قصور ہے

فریاد جرس '' :—

کل کہہ رہے تھے ایک محب وطن بزرگ
ہندوستان رہنے کے قابل نہیں رہا
انساں سے چھین لي گئي آزادئی ضمیر
لیلی کے ناقہ کے لئے محمل نہیں رہا
تھا دشنہ حق کا تیز بھي خونریز بھي مگر
کچھ دن سے در خورِ رگ باطل نہیں رہا
لندن کی عافیت کبھی جس سے ہوئي تھي تنگ
زنداں میں اب وہ شور سلاسل نہیں رہا
سچ اور جھوٹ میں نہیں باقي رہی تمیز
اور امتیاز ناقص و کامل نہیں رہا
میں نے دیا جواب کہ ہیں یہ گلے فضول
جب سب ہیں عالم اور کوئي عامل نہیں رہا
ہم آپ اپني راہ کے سنگ گراں بنے
رہرو کو فکر دوری منزل نہیں رہا
جو کوشش آشتی کي ہوئي رائگاں گئي
اور کوئي اتحاد کا قائل نہیں رہا
پھر کس لئے یہ شکوہ کہ لطف خدائے پاک
ہندوستان کے حال کو شامل نہیں رہا

لیکن یہاں اس امر کا اظہار ضروري ہے کہ اس قسم کي نظموں کي بہترین مثال علامہ شبلي مرحوم کے ہاں ملتي ہے - میرا ذاتي خیال ہے کہ لطیف طنزیہ نظمیں لکھنے کا سہرا

علامہ مرحوم کے سر ہے بایںہمہ یہ کہنے میں بھي تامل نہیں ہے کہ جہاں تک اس صنف کلام کا تعلق ہے مولانا ظفر علي خاں ، علامہ شبلي کے تنہا اور بہترین متبع ہیں !

علامہ شبلي مرحوم کي بعض نظمیں ہدیہ ناظرین ہیں -

" سوت ایبل ' سلف گورنمنٹ :—

دیکھا جو لیگ نے کہ ہوا خاتمہ تمام
از بسکہ دست حق طلبی اب دراز ہے
کہنے لگے ہیں سب کہ سیاست کا یہ نظام
مقبول خاص و عام نہیں خانہ ساز ہے
تقسیم مشرقي نے عیاں کردیا ہے سب
جو شاہراہ حق میں نشیب و فراز ہے
مجبور ہو کے لیگ نے الٹا ہے یہ ورق
جو سر بسر مرقعِ نیرنگ ساز ہے
چہرہ پہ ہے جو سلف گورنمنٹ کا نقاب
ہر دیدہ ور اسیر طلسم مجاز ہے
سمجھے نہ یہ کہ سوت ابل کی جو شرط ہے
تمہید سجدہ ہائے جبین نیاز ہے
سمجھے نہ لوگ یہ کہ یہی لفظ پُر فریب
اس ملک میں طلسم غلامی کا راز ہے
سب یہ سمجھ رہے ہیں کہ اب لیگ و کانگرس
دونوں کا ایک عرصہ کچھ ترک و تاز ہے
جب تک کہ لوگ حلقہ بگوش خواص ہیں
جب تک زبان قوم خوشامد طراز ہے

جب تک ہیں لوگ عالم بالا سے مستفیض
جب تک بہم یہ دور " قدم ہائے راز " ہے
احرار سے کہو کہ نہیں کچھہ امید صلح
منشا نہیں جو تفرقہ اور امتیاز ہے
آزادي خیال پہ تمکو ہے گر غرور
تو لیگ کو بھي شان غلامی پہ ناز ہے

مسلم لیگ :—

لیگ کو جب نظر آیا کہ چلي ہاتھہ سے قوم
اک نیا روپ بھرا اس نے باانداز دگر
منظر عام پہ لوگوں سے کیا اسلیے خطاب
کہ نہیں سلف گورنمنٹ سے اب ہمکو مفر
اک ذراسي مگر اس لفظ میں تخصیص بھی ہے
جس سے ہیں متفق اللفظ سب ارباب نظر
یعني وہ سلف گورنمنٹ کہ ہو سوٹ ایبل
یا کہ موزوں و مناسب ہو باالفاظ دگر
جب کبھي کوئی بھی تحریک سیاسی ہوگي
آپ اسي قید مناسب کو بنائیں گے سپر
اب بھي ہیں جادۂ مقصد کے وھي نقش قدم
اب بھي اوراق سیاست کا وھي ہے مسطر
یہ وھي لفظ ہے مجموعۂ صد گونہ فریب
یہ وھي لفظ ہے سرمایہ صد گونہ ضرر
آپ ہر بار جو بڑہ بڑہ کے پلٹ آتے ہیں
ہے اسي شیوہ تعلیم غلامی کا اثر

ہے حقیقت میں اسی متن غلامی کی یہ شرح
ہے حقیقت میں اسی نخل سیاست کا ثمر
جب کہیں بھی کوئی پہلوے غلامی ہوگا
ہر طرف پھر کے اسی نقطہ پہ ٹھہریگی نظر
اسقدر سرد مزاج اور پھر اسپر تبرید
خوف یہ ہے کہ پہونچ جائے نہ فالج کا اثر

---

لیگ کی عظمت و جبروت سے إنکار نہیں
ملک میں غلغلہ ہے شور ہے کہرام بھی ہے
کون ہے جو نہیں اس حلقۂ قومی کا اسیر
اسمیں زہاد بھی ہیں رند مےآشام بھی ہے
فیض اس کا ہے بہ‌اندازۂ طالب یعنی
بادۂ صاف بھی ہے درد تہ جام بھی ہے
کعبۂ قوم جو کہتے ہیں بجا کہتے ہیں
مرجع خاص بھی ہے قبلہ گہِ عام بھی ہے
پختہ کاروں کے لئے آلۂ تسخیر ہے یہ
نو جوانوں کو صلائے طمع خام بھی ہے
رہنمایان نو آموز کا ہے مکتب درس
زینۂ فخر و نمائش گری عام بھی ہے
جن مہمّات میں درکار ہے ایثار نفوس
ان میں طرز عملِ بوسۂ و پیغام بھی ہے
مختصر اس کے فضائل کوئی پوچھے تو یہ ہیں
محسنِ قوم بھی ہے خادم حکّام بھی ہے

ربط ہے اس کو گورنمنٹ سے بھي ملک سے بھي
جس طرح ' صرف ' میں ایک قاعدہ ادغام بھي ہے
اس کے آفس میں بھي ہر طرح کا سامان ہے درست
ورقِ سادہ بھي ہے کلکِ خوش اندام بھي ہے
چند بی اے ہیں سند یافتۂ علم و عمل
کچھہ اسسٹنٹ ہیں کچھہ حلقۂ خدّام بھي ہے
ہو جو تعطیل میں تفریحِ سیاست مقصود
سفر درجۂ اول کے لئے دام بھي ہے
یہ تو سب کچھہ ہے' مگر ایک گذارش ہے حضور
گر چہ یہ سوء ادب بھي ہے اور ابرام بھي ہے
مجھہ سے آهستہ مرے کان میں ارشاد ہو یہ
سال بھر حضرت والا کو کوئي کام بھی ہے !

مسلم یونیورسٹي :—

الحاق کی جو شرط نہ مانی جناب نے
کیا جانے کیا حضور کے دل میں خیال ہے
ہم تو ازل سے حلقہ بگوش نیاز ہیں
یہ سر ہمیشہ زیر قدم پائمال ہے
ہم نے تو وہ ثنا و صفت کي حضور کي
جو خاص شیوۂ صفت ذوالجلال ہے
آیا کبھي نہ حرفِ تمنا زبان پر
یانتک تو ہم کو پاس ادب کا خیال ہے
اُردو کے باب میں جو ذرا کھل گئی زبان
اب تک جبیں پر عرق انفعال ہے

دامن غبار حق طلبی سے رہا ہے پاک
یہ فیض خاص رہبر دیرینہ سال ہے
آیا جو حریت کا کبھی دل میں وہم بھی
سمجھا دیا کہ جوش جنوں کا وبال ہے
اب تک اسی طریق پہ ہیں بندگان خاص
لو صحبت عوام میں کچھ قیل و قال ہے
گردن جھکی ہوئی ہے زباں گو ہے شکوہ سنج
باطن ہے انقیاد جو ظاہر ملال ہے
الحاق سے کچھ اور نہ تھا مدعائے خاص
بس اک عموم درس وفا کا خیال ہے
یعنی یہ پھیل کر نہ زمانہ کو گھیر لے
اب تک جو مختصر یہ علی گڑہ کا جال ہے
پھر بھی حضور کی نہ گئیں سرگرانیاں
پھر بھی گناہگار مرا بال بال ہے
اتنی سی آرزو بھی پذیرا نہ ہو سکی
اب کیا کہیں گے اور بھی کچھ عرض حال ہے
سنتے رہے وہ غور سے یہ داستان غم
جب ختم ہو گئی تو یہ لب پر مقال ہے
حد سے اگر بڑھے گا تو ہو جائے گا مسخ
وہ درسگاہ روئے وفا کا جو خال ہے

———

قاضی عبدالغفار صاحب مرادآباد :—
(ماخوذ از نقش فرنگ) -
"........جب تمدن کی پستی کا یہ عالم ہو اور نظر

اسقدر محدود ہو کہ پی اینڈ او کمپنی کے پانی پر تیرنے والے عشرت محل میں چند روز سفر کرنا اور چند روز انگلستان اور پیرس کی تہذیب و تمدن کی مینا کاریوں سے متمتع ہونا بھی ایک مجاہدہ قرار پائے تو جان لیجئے کہ اُس قوم کا مرض پرانا ہے اور اب علاج محض گرمئی سخن سے نہ ہوگا - کچھہ آج نہیں میرے دل میں یہ خیال اکثر آیا ہے کہ آخر یہ تماشے کب ختم ہونگے - تماشاگاہ میں ہر شب کو تاج الملوک بکاؤلی کے سرہانے پہنچ جاتا ہے لیکن صبح کو جب تماشہ ختم ہوا تو اُس تاج الملوک نے بھی رات کے رنگ روغن کو گرم پانی سے دھو ڈالا اور بکاؤلی کے نرگس شہلا کا بھی سرمہ بہہ گیا ! اس بدنصیب براعظم کے تماشاگاہ میں شب و روز یہ تماشے ہو رہے ہیں ، لمبی تانیں ، بلند آوازیں ، بہت سے خوبصورت ہار اور گلدستے ، پھولوں سے لدی ہوئی گاڑیاں اور جلوس - قوم کی بیداری کی روشن دلیلیں یہ ہیں ! خدمت و مخدومیت کا تخیل وہ تاج الملوک ہے جس نے بکاؤلی کو محض خواب میں دیکھہ لیا ہو اور ایک کاغذ کا پھول بنا کر دکھاتا پھرے کہ یہی میرا گُلِ مراد ہے ! "

---

" ........ بہت سے دولتمند عرب بھی دیکھے جو اپنی موٹروں میں اُڑے پھر رہے تھے - کیا یہ بھی عہد نبوت کے ان شتر بانوں کی نسل ہے جو ناقۂ رسالت کی ڈوری پکڑ کر چلتے تھے ؟ کیا وہ بھی طارق کی چھوٹی کشتیوں میں سوار ہونے والوں کے اخلاق ہیں جو جہاز کے سامنے پانی میں غوطہ لگا رہے تھے کہ شاید کوئی مسافر ایک پیسہ پھینکدے !

معلوم نہیں عدن کی پہاڑیوں کے دامن میں پانی کے حوض کسنے بنائے تھے جنکو آثار تاریخی کا جویاں سیاح دیکھنے جاتا ہے - کوئی کہتا ہے کہ یہ حوض ایرانیوں کے بنائے ہوئے ہیں - کوئی کہتا ہے کہ عربوں کے کسی پرانے قبیلے نے صدیوں پہلے ان حوضوں کو تیار کیا تھا -

........آج یہ حوض خشک پڑے ہیں پہاڑ بھی خشک ہیں اور انکے چشمے بھی بےآب ہیں - لاریب کہ عدن کے تمام چشمے خشک ہیں - پانی کے چشموں کا کیا ذکر عرب کی انسانیت کے چشمے بھی خشک ہیں اور جہاں کچھہ پانی ہے تو اُسکو بھی گندی مچھلیوں نے گندہ کر دیا ہے '' -

---

'' ........بہت سے جہاز اس سمندر میں گذرتے ہیں - ان جہازوں پر ہزاروں مسلمان خلاصی اور سیکڑوں مسلمان مسافر بھی گذرتے ہونگے لیکن کتنے ایسے ہیں جن کو یہ خبر ہے کہ اس سمندر کے پانی میں فدائیاں اسلام کا کستدر خون ملا ہوا ہے - رونے کو نہیں کہتا - رونے کا قائل نہیں - مگر یہ ایک درس عبرت ہے ! یہاں مدرسوں میں نپولین کرامول اور نلسن کے سوا ہے کیا - انہیں کیا معلوم کہ بحر اوقیانوس میں بھی کبھی اونٹ والے گھس جایا کرتے تھے ! وہ آرمیڈا کے نام سے تو واقف ہیں مگر عقبہ ابن نافع کے گھوڑے اور طارق کی کشتیوں کا حال انکو کیوں کر معلوم ہو ! غلامی کا اصلی زہر یہہ ہے ! پھر کیا تعجب ہے کہ یہ غافل دنیا میں جدھر جاتا ہے زندگی کو تلخ پاتا ہے !

---

'' ملاقاتیں ختم ہو گئیں - بارگاہ وزارت کے دروازے بند ہو گئے - بندگان فرمان حاضر ہوئے اور رخصت کردئے گئے - اک تماشہ تھا کہ ختم ہوگیا کوئي نئي بات ہمارے ذہن میں نہیں تھي جو کہتے کوئي نئی بات وزیراعظم کے پاس نہ تھي جو وہ کہتے ہم نے وھي کہا جو عرصہ سے کہہ رہے ہیں انہوں نے وھي جواب دیا جو وہ دیا کرتے ہیں - ہمارے مطالبات بھي وھي تھے ان کا انکار بھی وھي تھا - ہمارے عرض معروض کا انداز کچھہ بدلا ہوا نہ تھا اُنکي نفي کا وزن بھي پہلے سے کچھہ کم نہ تھا - ہمارے آنے سے پہلے کچھہ باقي نہ تھا جو وزیر اعظم کے کان تک نہ پہونچاھو اور ملاقاتیں ختم ہو جانے کے بعد بھي کچھہ باقي نہ رہا . جو آیندہ کہا جائے ! غلام بھی وھي تھي آقا بھي وھی تھا - ہماري پیشاني بھی وھی تھی اور انکا سنگ آستاں بھي وھی تھا ہماري التجائیں بھي وھي تھیں اور انکا اغماز بھي وھي تھا ! پھر آخر یہ سب تھا کیا ؟ .......یہ اب ایک خواب ھے کہ چند روز یاد رہے گا ' میں اس خواب کو حوالۂ قلم کرتا ہوں کہ اگر کہیں یہ صفحات ہندوستان کے آیندہ مورخ کے ہاتھہ پڑ جائیں تو وہ بھی دیکھے کہ ہندوستان کس طلسم میں مبتلا تھا - ہر شخص پوچھتا ھے کہ آخر گئے کیوں تھے جواب اسکے سوا کیا ہو کہ اسلئے کہ بلائے گئے تھے - اتنی جلد کیوں واپس آئے اس لئے کہ واپس بھیجدئے گئے........''

---

خواجہ حسن نظامی صاحب اپني ظرافت کے بارے میں خود فرماتے ہیں :—

'' میری طبیعت کی افتاد شوخی و ظرافت کے خلاف واقع ہوئی ہے.......مگر جناب اکبر کی ہم نشینی اور کچھہ اِس احساس کے سبب کہ نثر اُردو میں مفید ظرافت کا رواج بڑھے مجھکو بھی شوق ہوا کہ اُردو کے اس میدان میں طبع آزمائی کروں - میری عادت تقلید کی نہیں اسواسطے میں نے اُردو ہی سے اُس کا علوان نیا تصنیف کیا اور اسکا نام چٹکیاں اور گدگدیاں رکھا .......اکثر مضامین میں جناب اکبر کا پیرایہ میرے پیش نظر ہے وہ نظم کے دو جملوں میں جو بات کہتے ہیں میں نے اسکو ایک بڑے مضمون نثر میں ادا کیا ہے - بعض مضامین کی شوخی کھلی ہوئی ہے بعض کی عبارت اوپر کی سطح سے سنجیدہ معلوم ہوتی ہے مگر اثر دل پر ظرافت کا ہوتا ہے - دانستہ بھی ایسا کیا ہے کہ بعض شوخ مضامین کو رکاکت میں گر جانے کے اندیشہ سے متانت کی چادر اُڑھا دی ہے.......ہنسی مذاق میرا کام نہ تھا مگر میں نے محض زبان اُردو کی خاطر اس میں دخل دیا اور کچھہ لکھا......میرے تازہ مجموعۂ مضامین پر جو سیپارۂ دل کے نام سے گذشتہ مہینے شائع ہوا ہے جناب مولوی عبدالحق صاحب بی اے سکریٹری انجمن ترقی اُردو نے دیباچہ لکھتے ہوئے ایک فقرہ یہ بھی لکھا تھا کہ ان مضامین میں غالب کے طرح ظرافت کی چاشنی نہیں ہے لہذا آج مغلوب کی طرح ظرافت کی چاشنی چکھانے لایا ہوں '' -

---

خواجہ صاحب کی ظرافت اپنی آپ مثال ہے - اس طرز میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے ' راقم السطور کو رعایت لفظی اور حروف یا الفاظ کی اُلٹ پھیر سے طبعاً نفرت ہے - خواجہ صاحب کے یہاں یہ

چیز کثرت سے ہے ' اس میں شک نہیں یہ سستے قسم کی ظرافت ہے اور اس پر سر دھننے والے بھی کثرت سے ملتے ہیں اور یہ بھي ظاہر ہے کہ خواجہ صاحب کا منشا بھي یہي ھے کہ وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپني طرف یا اپني مقاصد کی طرف متوجہ کر سکیں لیکن جہاں تک صحیح ذوق اور سنجیدہ انشاپردازي کا تعلق ہے یہ نیت یا یہ فعل کچھہ بہت زیادہ قابل تحسین یا تقلید نہیں ہے - لیکن اس میں بھي شک نہیں جہاں خواجہ صاحب مفہوم اور مقصود کو ان لفظي بازیگریوں یا گورکھہ‌دھندے سے محفوظ رکھتے ھیں وھاں ان کي خیالات نہایت درجہ پُر لطف اور اتنا ھي سبق آموز ھوتے ھیں - طنزیات اور ظرافت دونوں انتہائي خلوص اور ایمانداري کے طلبگار ھوتے ھیں - یہاں اشخاص اور الفاظ کو زبردستي یا دیدہ و دانستہ اُچھالتے ' پھراتے رھنا ' کفر ھي نہیں بلکہ اس سے کچھہ زیادہ یعني بد مذاقي ھے !

خواجہ صاحب کے بعض چٹکلے دوسروں کے پورے ظریفانہ مضامین پر بھاري ھوتے ھیں - خواجہ صاحب کي سہل ' سادہ اور مزیدار اُردو بجائے خود لطیفہ ھوتی ہے چہ جائیکہ اس میں ظرافت اور خوش طبعي کی بھي چاشني رکھدی جائے - ہر اچھی ظرافت ایک قسم کي خوشگوار طنز ھوتي ہے اور ہر خوشگوار طنز بجائے خود ایک لطیف ظرافت ! اس کا بہترین ثبوت خواجہ صاحب کی بعض چٹکیاں اور گدگدیاں ھیں '

ملا رموزی اور خواجہ حسن نظامي کي ظرافت اور خوش طبعی میں یہي چیز مابہ‌الامتیاز ہے - ملا رموزي کا دماغ ظرافت کے لئے نہایت رسا ہے ' وہ جس موقعہ کا تذکرہ کریں گے اس میں ظرافت

یا طنز کے جتنے پہلو ممکن ہیں سب اُن کے سامنے آجائیں گے
لیکن لکھتے وقت وہ اس حقیقت کو فراموش کر جاتے ہیں کہ
سب باتیں لکھنے کی نہیں ہوتیں یا اُن الفاظ اور لہجہ میں
نہیں لکھنا چاہئے جن میں ملا صاحب لکھنے کے عادی ہیں
ملا صاحب کی تحریروں میں ایک چیز اکثر کھٹکتی ہے اور اس
چیز کا احساس سوا ملا صاحب کے ہر ایک کو ہے یعنی وہ دوسروں
کی پگڑی اور اپنا نام اُچھالنے کی زیادہ فکر رکھتے ہیں ۔ اور
یہی وہ چیز ہے جس کے سبب سے اُن کی بہترین ظرافت ،
بد ترین طنز – اور بہترین طنز ، بدترین ظرافت میں تبدیل ہو جاتی
ہے – جو چیز پیشہ بنا لیجائے گی وہ ہمیشہ قبیح نظر آئیگی اور
جو چیز بطور مشغلہ تفریح برسرکار رہیگی وہ ہمیشہ مقبول اور
محبوب ہوگی - ملا رموزی صاحب نے ظرافت اپنا پیشہ سا بنا
لیا ہے اور یہی سبب ہے کہ بسا اوقات وہ لکھتے لکھتے ایسا
لب و لہجہ اختیار کر لیتے ہیں یا ایسے الفاظ اور فقرے لکھہ
جاتے ہیں جو انکے جیسے رتبہ کے انشاپردازوں کے شایاں شان
نہیں ہوتے - مثلاً رسالہ صوفی میں انہوں نے پیروں ، صوفیوں
اور اسکول کے لڑکوں کے بارہ میں جو قلمی جہاد ( یا مغلظات )
شروع کیا ہے وہ کسی طور پر ایک معقول مسلمان انشاپرداز
کے شایان شان نہیں ہے - ملا صاحب غالباً راقم‌السطور سے بہتر
اس امر کا احساس رکھتے ہیں کہ مکروہ سے مکروہ اور فحش سے
فحش حالات اور واقعات پر بڑی انتہائی لطافت اور نزاکت سے
اظہار خیال کیا جا سکتا ہے اور اگر ایسا کرنا ناممکن ہے تو
پھر انشا پردازی کے بجائے کچھہ اور کیوں نہ شروع کردیا جائے !
بایں‌ہمہ مجھکو یہ کہنے میں تامل نہیں کہ ملا صاحب کی

تصنیفات بعض حیثیات سے بے مثل ھیں ' ان کو ایسی ایسی ظرافتیں بھی سوجھہ جاتي ھیں جھاں بمشکل کسی کي رسائي ھو سکتی ھے جو نہایت درجہ دلکش اور پر لطف ھوتي ھیں اور جھاں تک ھر شخص کا پہنچنا قطعاً آسان نہیں ھے ! ناانصافی ھوگي اگر یہاں پروفسر عبدالقادر سروري ام اے ایل ایل بي کے خیالات بھي ناظرین کے سامنے نہ پیش کئے جائیں جو انہوں نے ملاصاحب کے مضامین کے مجموعہ پر بطور '' ایک عامي تبصرہ '' قلمبند فرمائے ھیں '

'' .......غرض ابھي ایک وسیع اور شاندار مستقبل ھمارے سامنے ھے جس کا راستہ ملا رموزي نے کھول دیا ھے یقیناً ملارموزی کی ظرافت نگاری اخبارات اور رسائل سے نکلکر مستقل ادبیات میں جگہ کرلیگي اور قوم کے پژمردہ دلوں کے لئے مسرت پائدار ثابت ھوگي اور ملک کے تاریک ترین گوشوں کے لئے بھي روشني کا کام دیگي اسی لئے ملا رموزي کو مبارکباد دیتا ھوں کہ آپ کی نثري اور ادبی خدمات اب بتدریج ادبیات اردو کا جزولازم بن رھی ھیں اور '' تاریخ ادبیات اُردو '' آپ کا نام ھمیشہ عزت وشکر گذاری سے محفوظ اور برقرار رکھیگي - ''

---

خواجہ حسن نظامي صاحب کی چٹکیاں اور گدگدیاں :-

'' ساربان ابن ساربان ''

'' تمہارے خاقان ابن خاقان و سلطان ابن سلطان کا ھم قافیہ ساربان ابن ساربان ھوں ' اونٹ چلاتا ھوں - اونٹ کي محنت پر میری زندگی کا دارومدار ھے -

دیکھو میرے پیچھے اونٹوں کی ایک قطار چلي آتي ھے ،

ہر اونٹ کی نکیل دوسرے کی دم سے بندھی ہوئی ہے اور بیچارہ چپ چاپ گردن جھکائے آگے والے اونٹ کے قدم بقدم چلا جاتا ہے -

راستہ میں ایک منطقی صاحب ملے تھے - بولے کیوں بھئی اونٹو! تمہاری پیٹھہ پر کیا لدا ہوا ہے اور تم کہاں جاتے ہو ' سب نے کہا اسکی خبر ہمارے ساربان ابن ساربان کو ہے - اس نے جو کچھہ لاد دیا ہے ہم نے لاد لیا ہے - وہ جہاں لے چلے گا وہاں چلے جائیں گے -

منطقی نے کہا تم کو معلوم کرنا چاہئے تھا کہ کہاں کا ارادہ ہے اور پشت پر لادی ہوئی چیز کیا ہے - یہ سنکر ایک اونٹ نے کیا خوب جواب دیا کہ آپ کے کالجوں اور اسکولوں میں جو شترزادے کتابوں کا بوجھہ اُٹھائے ہوئے اور ایک دسرے کی دم سے بندھے جارہے ہیں ان سے بھی کبھی پوچھا کہ کہاں جاؤ گے اور تم پر کیا لدا ہوا ہے.......''

---

'' بھاری ڈکار ''

'' کونسل کی ممبری نہیں چاہتا ' قوم کی لیڈری نہیں مانگتا - اول کا خطاب درکار نہیں موٹر اور شملہ کی کسی کوٹھی کی تمنا نہیں میں تو خدا سے اور اگر کسی دوسرے میں دینے کی قدرت ہو تو اس سے بھی صرف ایک ' ڈکار ' طلب کرتا ہوں - چاہتا یہ ہوں کہ اپنے طوفانی پیٹ کے بادلوں کو حلق میں بلالوں اور پوری گرج کے ساتھہ باہر برساؤں یعنی کراکے دار ڈکار لوں پر کیا کروں یہ نئے فیشن والے مجھکو زور سے دکار لینے نہیں دیتے - کہتے ہیں ڈکار آنے لگے تو ہونٹو کو بھینچ لو اور ناک کے نتھنوں سے اُسے چپ چاپ آزادو آواز سے ڈکار لینی بڑی بے تہذیبی ہے -

مجھے یاد ہے سر جیمس لاٹوش یو پی کے لفٹنٹ گورنر علی‌گڑہ کالج میں مہمان تھے رات کے کھانے میں مجھ جیسے ایک گنوار نے میز پر زور سے ایک ڈکار لے لی - سب جنٹلمین اس بیچارے دھقانی کو نفرت سے دیکھنے لگے - برابر ایک شوخ و طرار فیشن‌ایبل تشریف فرما تھے انھوں نے نظر حقارت سے ایک قدم اور آگے بڑھا دیا جیب سے گھڑی نکالی اور اس کو بغور دیکھنے لگے - غریب ڈکاری پہلے ھی گھبرا گیا تھا - مجمع کی حالت سے متاثر ھورھا تھا - برابر میں گھڑی دیکھی گئی تو اُس نے بے اختیار ھوکر سوال کیا - جناب کیا وقت ھے - شریف فیشن پرست بولا گھڑی شاید غلط ھے - اس میں نو بجے ھیں مگر وقت بارہ بجے کا ھے کیونکہ ابھی توپ کی آواز آئی تھی !

بیچارہ ڈکار لینے والا سنکر پانی پانی ھوگیا کہ اسکی ڈکار کو توپ سے تشبیہ دیگئی - اس زمانے میں لوگوں کو سلف گورنمنٹ کی خواھش ھے ھندوستانیوں کو عام مفلسی کی شکایت ھے - میں تو نہ وہ چاھتاھوں نہ اس کا شکوہ کرتا ھوں - مجھکو تو انگریزی سرکار سے صرف آزاد ڈکار کی آرزو ھے - میں اس سے ادب سے مانگونگا ، خوشامد سے مانگونگا - کوئی نہ مانےگا تو کہے دیتا ھوں زور سے مانگوں‌گا - جد و جہد کروں‌گا - ایجی‌ٹیشن مچاؤں‌گا - پُر زور تقریریں کروں‌گا - کونسل میں جاکر سوالوں کی بوچھار سے آنریبل ممبروں کا ناک میں دم کروں‌گا -

لوگو ! میں نے تو بہت کوشش کی کہ چپکے سے ڈکار لینے کی عادت ھو جائے - ایک دن سوڈا واٹر پی کر اس بھونچال ڈکار کو ناک سے نکالنا چاھتا تھا مگر کمبخت دماغ میں الجھہ کر رھگئی ، آنکھوں سے پانی نکلنے لگا - اور بڑی دیر تک کچھہ سانس رکا رکا سا رھا !

کیوں بھائیو تم میں سے کون میری حمایت کریگا اور نئی روشنی کی فیشن ایبل سوسائٹی سے مجھکو اس اکسٹریمسٹ حرکت کی اجازت دلوائیگا ۔ خلقت تو مجھکو حزب‌الاحرار یعنی گرم پارٹی میں تصور کرتی ہے اور میرا یہ حال ہے کہ اپنی گرم ڈاڑ تک کو گرما گرمی اور آزادی سے کام میں نہیں لاسکتا - ٹھنڈی کر کے نکالنے پر مجبور ہوں !

---

بعض بےمزہ لفظی اُلٹ پھیر کی مثالیں :—

" پٹرولیم کا قحط :—

ایک معنی تو پٹرولیم کے کال کے ہیں اور دوسرے علحدہ علحدہ معنوں میں ' یعنی پیٹر بمعنی پیٹروگراڈ اور دوسرا (قیصر) ولیم سب کا مفہوم یہ رہا کہ جرمنی اور روس دونوں غائب !!

" طائر ہوائی کی بیٹ "

ایک بیٹ تو وہ جو سخن فہمی عالم بالا کے سلسلہ میں کسی شاعر کو نصیب ہوئی تھی دوسری بمعنی ' ضرب ' انگریزی میں beat بیٹ کے معنی مارنے کے ہیں - مطلب یہ ہے کہ " ہوائی پرندوں کی آتشی بیٹ جرمن کے منھ پر ہورہی ہے " !

" جرمن میں مس کی کمی "

مس بمعنی تانبا اور مس بمعنی عنیدہ - " پس اہل جرمن کو چاہئے کہ وہ مسوں کو سوسائٹی بلاکر کسیائی طریق سے مِس بنالیں "

" جنرل فان "

" اس میں فان لگا ہوا ہے جسکی معنی فنا ہونے کے ہیں - معلوم نہیں وہ اس لفظ سے فاعلیت کا اثر حاصل کرینگے یا

مفعولیت کا - آخری اثر ھوا تو ان کے ھاتھوں سے جرمنی قوم کا فنا ھو جانا لازمي ھے " !

" آپان "

" جاپاني دھاں کے چاول کھانے والے ھندوستان کے پان کے قریب ھونے کے سبب اپنے ملک کو جاپان کہتے ھیں ان سے کہدو کہ ھمارے پان کو نظر نہ لگائیں کیونکہ ان کی زبان سے جاپان سنکر جي دھڑکتا ھے - وہ ھمارے دوست ھیں تو اپنے ملک کا نام آپان رکھہ لیں تا کہ پان خور ھندوستانی وھاں جا کر علم و ھنر سیکھہ آیا کریں - پان پر جا کا لفظ ٹھیک نہیں "

" جلوري میں جانوری "

" جلوري کي سردي میں ھر انسان جانور بن جاتا ھے اور ھر وقت لحاف و کمبل کے بھت میں گھسا رھنا چاھتا ھے "

" دردمہ "

اخبار ھمدرد کو اُلٹ کر دیکھو تو دردمھہ بن جائے - اس واسطے ثابت ھوا کہ ضرور اُس کے ایڈیٹر کے شکم میں ھلال کا درد ھے "

" لال ھلا "

" الہلال بند ھو گیا - یہ بے نقط اخبار تھا اور سب کو بے نقط سناتا تھا - جب چارۂ کار کي تدبیریں ھونے لگیں تو اس کے حروف کو بھي اُلٹ کر دیکھا تو حکم ملا ( لال ھلا ) معلوم نہیں الہلال کے محرر خصوصي لالوں کا ھلانا منظور کرینگے یا نہیں طوطے تو بہت پال چکے ھیں لالوں کا پنجرا بھی رکھہ لیں تو کیا مضائقہ ھے " ؟

وغیرہ وغیرہ -

ملا رموزي صاحب :—

اگر یہ صحیح ہے کہ بڑے بڑے لارڈ " آپریشن " سے شفاخانوں میں مرجاتے ہیں - اگر ہندوستاني راجے مہاراجے قوتِ باہ اور طلا کي گولیوں سے ہلاک ہوتے رہتے ہیں اگر ہندوستاني قلي ' صاحب لوگوں کی ٹھوکر سے مرجاتے ہیں تو دیکھہ لینا ہم کسی نہ کسي دن مضمون نگاری میں ........یہ ہو جائینگے اور یار لوگ انااللہ پڑہ کر فارغ ہو جائیں گے........وہ تو قوم نے مالداري کی وجہ سے خواجہ حسن نظامي صاحب کو " مصور فطرت " کہدیا ہے ورنہ اصل میں " مصور فطرت " تو ہم تھے جب کہ ہم ہر شخص کا حلیہ کھینچ کر رکھہ لیتے میں عبدالرحمن چغتائي سے کیا کم ہیں اور ہمارا کونسا مضمون ہوتا ہے جو " عمل چغتائي " کا کام نہ دیتا ہو......"

---

" کالا آدمي "

جنوبي افریقہ میں گول میز کانفرنس کیجئے چاہئے کوہ ہمالیہ پر بیٹھہ کر تالیاں بجائیے - یہ جو ہندوستان کے تیس بتیس کرور انسان " کالا آدمي " ہو چکے - سو اب سفید نہیں ہو سکتے - یقین نہ ہو تو شریک ہو جائیے وائسرائے کے استقبالی ہجوم میں ' جمع ہو جائیے کسي بازار میں اور مجمع کیجئے کسی ریلوے پلیٹ فارم پر - پس ایک انگریز صاحب آئیں گے اور " اے کالا آدمي " کہہ کر آپ کو ہٹا دینگے علحدہ کردینگے اور کبھي آپکے اوپر سے گھوڑا دوڑا کر منتشر کردینگے - مگر یہ کبھي نہ کرینگے کہ " کالا آدمي " سمجھکر ریل کا کرایہ ' لفافوں کی قیمت یا میونسپل ٹکس آپ سے کم کروالیں لیکن سوال یہ ہے کہ آخر

انگریزوں نے هندوستانیوں کا تخلص "کالا آدمي" هي کیوں رکھا ؟ اس کا جواب....مسیح موعود نے یہ دیا هے جب کہ هم هندوستاني پانيپت کے میدان میں انگریز بھائیوں کے مقابلہ سے بھاگ چکے تو اب انگریز هو گئے "اولی الامرمنکم" لهذا اب ان پر کوئی اعتراض ' سوال ' تنقید ' غرض سب کچھہ حرام هے......"

---

ریل کا سفر :—

"......لیکن عین اس وقت جب کہ هم جواني کي نیند کے مزے لے رهے تھے یکایک ایک جھٹکا لگا جس کے اثر سے هم الصلواۃ خیر من النوم..........کہتے هوئے بیدار هو گئے اب جو آنکھیں کھولتے هیں تو سینہ پر ایک گٹھری اور بستر رکھا پاتے هیں لیکن آپ بھي همارے وسیع مطالعہ کو دیکھئے کہ چھاتي پر بستر رکھا دیکھکر همیں کوئی حیرت نہ هوئي بلکہ فوراً سمجھہ گئے کہ هو نہ هو یہ کوئي استیشن هے - جہاں سے کوئي گھبرایا هوا کسان سوار هو رها هے اور اس نے گھبراهٹ میں یہ بستر کھڑکي سے هي همارے اوپر دے مارا اور اب وہ صدر دروازہ سے آیا هي چاهتا هے - یہ سوچ کر گردن جو اتھائي تو صدر دروازہ سے دیکھا کوئي دس بارہ کسان ریل کے اندر چلے آرهے هیں ' سروں پر چار چار تھان کھدر کے لپیٹے هوئے جن کے اندر سے وہ لمبي لمبي چلمیں نظر آرهی تھیں جو بوقت سفر اس کھدري عمامہ کے اندر لگا لي جاتي هیں - اسي کھدر کے "میڈ ان دیہات" کوٹ جلکے سینے کھلے اور اندر سے بال صفا پوڈر صاف نظر آرهے تھے - هاتھوں میں بڑي بڑي لاتھیاں ' بقدر ستر عورت دھوتیاں اور پاؤں میں وہ وزنی جوتے جو اخبار همدم کے کسي لکھنوی

کاتب یا اسسٹنٹ اڈیٹر کو غلطی سے پھلا دئے جائیں تو اُف کہہ کر اناللہ ہو جائیں - غرض کسانوں کی یہ پوری پارلمنٹ جب اس ڈبے میں داخل ہوئی تو اب ہمیں اطمینان ہو گیا کہ بمبئی تک سونا تو ایک طرف شاید ہم حرکت بھی نہ کر سکیں گے "

---

" ......اب بتائیے کہ ملا رموزی پولیس کو لے کر کس کے پیچھے بھاگے ؟ میاں مجرد کے یا اس عورت کے یا اس عورت کے ان بے حیا بے غیرت اور بے حمیت ماں باپ کے جنھوں نے اس حرافہ اور فاحشہ کو پال کر جوان کیا اور خدا پرستی کو ذلیل کرانے کے لئے بھیجا بھی تو اندھوں نے ایک بدمعاش پیر کے پاس مگر آہ تمہیں کیا خبر کہ آج دولت مندوں کے کتنے اونچے اور نیچے گھرانے کی بدکار و بدمعاش عورتیں ہیں جو مرید ہونے کے نام سے ان بدمعاش پیروں کے آغوش میں ہیں مگر نہ انھیں موت آتی نہ ان کے مردوں کو اور مارے غیرت اور تاؤ کے سوکھہ کر کانٹا ہوتے جاتے ہیں کون کہ یہ اپنے ہنسانے اور زندہ دل بنانے والے ملا رموزی صاحب !

---

" .. ...لہذا ارباب قلم سے درخواست ہے اگر انھیں تاریخ کے معزز صفحات میں اپنی اس نئی نسل کو زنانہ نسل لکھوانے سے کچھہ بھی شرم دامنگیر ہوتی ہے تو وہ شمشیر بے پناہ ہو کر لڑکوں کے اس زنانہ پن کو روکنے میں ملا رموزی کا ساتھہ دیں کیونکہ بناؤ سنگھار اور زنانہ پن کے حساب سے یہ لڑکے اب اس قابل ہو گئے ہیں کہ لوگ ہر لڑکے کے باپ کو یہ پیغام بھیجنا

شروع کردیں کہ اپنے لڑکے کے ساتھہ ہماري نسبت منظور فرماکر ہمیں اپنی فرزندي میں قبول فرمائے...... ''

---

طنزیات و مضحکات کے سلسلہ میں اودہ پنچ کا تذکرہ ضروري بھی ہے اور دلچسپ بھی - غالب کے عہد تک طنز اور ظرافت کا جو سرمایہ اردو میں ملتا ہے وہ '' پنچپیانہ '' رنگ سے گو بے نیاز نہیں ہے لیکن اس میں شک نہیں پنچ اس دور تک پنچ کو صحافتي درجہ حاصل نہیں تھا - اسبارہ خاص میں اودہ پنچ کو امتیاز تقدم حاصل ہے - اودہ پنچ کے بعد ہندوستان کے دیگر حصص میں پنچ کی حیثیت سے مختلف جرائد شائع ہوئے اور اب بھي شائع ہو رہی ہیں لیکن خود اودہ پنچ کے رنگ کو اس میں سے ایک بھي نہیں پہنچ سکا -

منشي محمد سجاد حسین صاحب مرحوم نے سنہ ۱۸۷۸ع میں اودہ پنچ کا اجرا کیا - اس وقت سیاسي مسائل نسبتاً کچھہ زیادہ جاذب توجہ نہ تھے ' اگر تھے بھي تو ایسے نہیں کہ ان کي اصلاح یا ان کا احتساب مقصود بالذات ہوتا - ان پر اظہار خیال کیا بھی جاتا تو محض سرسري طور پر وہ بھي تفریحاً جو مسائل اس وقت منشی صاحب مرحوم اور ان کے رفقائے کار کے پیش نظر تھے وہ بڑی حد تک معاشرتی یا مقامي تھے - مولوي سید محمد آزاد یا اکبر حسین صاحب اکبر کي طنز اور ظرافت کی آماجگاہ حکومت اور سیاست نہیں بلکہ مغرب اور مغربیت تھي -

بدنصیبي سے منشی سجاد حسین مرحوم فالج میں مبتلا ہوئے لیکن یہ کلفت جسمانی ان کي ہمت مردانہ اوو شگفتگي طبع

کو مضمحل نکر سکی اودھ پنچ نکلتا رہا ' فالج کا دوسرا دورا ہوا '
قلمی معاونین کی صف بھی اب کہیں کہیں سے خالی ہونے
لگی تی ' کچھہ جان بحق ہو چکے تھے ' بقیہ حق بخشوا رہے
تھے ' بچی کچھی صرف سجاد مرحوم کی وضعداری رہ گئی تھی
جو بالاخر ان کی زندگی اور ان کی تمام ملک و معشیت کے
ساتھہ ختم ہو گئی اور اس طرح سنہ ۱۹۱۳ میں اودھ پنچ بند
ہوگیا ۔

دو سال بعد سنہ ۱۹۱۵ع میں حکیم شیخ محمد ممتاز حسین
صاحب نے ( جنکے والد لکھنؤ کے تعلقہ داروں میں سے
تھے ) اودھ پنچ کو دوبارہ زندہ کرنے کا عزم کیا ۔ حکیم صاحب
موصوف ریڈ کرشچین کالج میں اردو شارٹ ہینڈ (مختصر نویسی)
کے پروفیسر تھے اور اب اودھ پنچ کے اڈیٹر ہیں مولانا جسٹس
کرامت حسین صاحب مرحوم کے مشورہ سے ممتاز حسین صاحب
نے سنہ ۱۹۱۶ع میں اودھ پنچ کو نئے سر سے شائع کیا اور اب تک
ملک و ملت اور زبان کیخدمت میں مصروف و منہمک ہیں ۔

موجودہ عہد میں اودھ پنچ کا رویّہ بحیثیت مجموعی
حسب ذیل مقاصد کا ترجمان ہے '

۱ ۔ بد اخلاق اور بد مزاق کے سوانح ذاتیہ سے قطع نظر
عام بداخلاقی اور بد مزاقی کی ہجو کیجائے ۔

۲ ۔ آزادئی مُلک ۔ لیکن لب و لہجہ اشتعال انگیز ہونے کے
بجائے ظرافت خیز ہو ۔

۳ ۔ صحت اور سلاست زبان

۴ ۔ علمی اور فلسفیانہ مضامین کو بھی فروغ دیا جائے
بشرطیکہ شگفتگی اور ظرافت کا عنصر نمایاں طور پر غالب ہو ۔

۵ - مضحک تصاویر ( کارٹون ) سے طنز اور ظرافت کا اظہار اور اُسکی اشاعت -

اودھ پنچ کے دور اول کے مشہورترین مضمون نگار سرشار ' اکبر اور آزاد تھے ' موجودہ عہد میں سید مقبول حسین صاحب ظریف اُسکے بہترین علمبردار ھیں - اودھ پنچ کے دوسرے مضمون نگار اپنے نام کي اشاعت گوارا نہیں کرتے - ممکن ھے یہ طریقہ کار بربنائے مصلحت مناسب یا ضروري ھو لیکن اُردو کي تاریخ مرتب کرنے والے نیز اُردو کے آئندہ انشاپردازوں کیلئے یہ "مصلحت" غیر مفید اور تکلیف دہ ثابت ھوگي - اسکی تلافی کی اگر کوئی ممکن اور معقول صورت ھوسکتي ھے تو صرف یہ کہ اودھ پنچ کے منتخب اور ٹکسالی مضامین کا مجموعہ کتابي شکل میں وقتاً فوقتاً شائع ھوتا رھے -

اودھ پنچ کي سب سے نمایاں خصوصیت کارٹونوں کا شائع کرنا ھے - طنز اور ظرافت کا یہ پہلو اُردو میں کمیاب بلکہ نایاب تھا - اودھ پنچ کے بعض کارٹون اپنی ندرت اور جامعیت کے اعتبار سے یورپین صحائف کے بعض بہترین کارٹونوں سے لگا کھاتے ھیں -

بعضوں کا خیال ھے کہ " پنچپانہ ظرافت " اکثر ذوق سلیم پر بار ھوتي ھے - پنچ میں لکھنے والے اکثر حد اعتدال سے گذر جاتے ھیں - ان کا مقصد طنز اور ظرافت کے بجائے " تھکا فضیحت " ھوتا ھے اور اس طور پر پنچ کے ذریعہ سے سوقیانہ ظرافت اور بازاري پھکڑ کو بے جا فروغ حاصل ھوتا ھے وغیرہ وغیرہ -

ممکن ھے یہ فرد جرم اودھ پنچ یا کسي اور پنچ پر کامیابي کے ساتھہ لگائي جا سکے لیکن یہ کہنا کلیۃً صحیح نہیں ھے کہ

پنچ اس قسم کے پھکڑ یا فحاشی کو اپنا نصب العین سمجھتا ہے -
پنچ کا وسیلہ پھکڑ یا فحاشي ہو سکتا ہے مقصد ہرگز نہیں
ہوتا - پنچ کا مقصد عالمانہ اور فلسفیانہ ظرافت کي نشر و اشاعت
نہیں ہوتا - اس کے یہ معنی نہیں ہیں وہ تبسم نہیں
صرف قہقہہ کا قائل ہوتا ہے - اور اسمیں بھي شک نہیں وہ
تبسم سے زیادہ قہقہہ کا قائل ہوتا ہے اب رہا یہ مسئلہ کہ یہ قہقہہ
پھکڑ یا فحاشی کا محتاج ہوتا ہے یا کوئي سنجیدہ ظرافت بھي
اس کي محرک یا معین ہو سکتي ہے تو اس سے کون انکار کر
سکتا ہے کہ فی الحقیقت متبسم ہونے یا قہقہہ لگانے کا انحصار
نفس ظرافت پر اتنا نہیں ہے جتنا خود متبسم ہونے یا قہقہہ لگانے
والے کي افتاد طبع پر - یہ بھي ممکن ہے کہ اس کا تعلق نفس
ظرافت سے ہو بنا بر آں خود ظرافت کو معقول اور مہذب ہونا
چاہئے یہ اور بات ہے کہ اس پر کوئي قہقہہ لگائے یا
متبسم ہو -

لیکن یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ " معقول " اور " مہذب "
کا معیار کیا ہے اور آیا پنچ اس کا پابند ہے یا نہیں - سرسری
طور پر اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ معقول اور مہذب کا معیار
وهي ہے جو معقول اور مہذب لوگوں کا شعار ہو - لیکن سوال
کا دوسرا حصہ یعني آیا پنچ کو اس کا پابند ہونا چاہئے یا نہیں '
کسی قدر پیچیدہ ہے - بظاہر یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ
پنچ کو یقیناً اس کا پابند ہونا چاہئے -

یہاں اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پنچ کا مفہوم
خود " عام پسندي " سے وابستہ ہے - لیکن خرابي یہ ہے کہ
یہي " عام پسندي " اکثر گر کر " عوام پسندی " کے حدود

تک پہنچ جاتي هے - ظاهر هے جس تحریک کا مقصد
"عام پسندی" هوگا وہ "عوام پسندي پر" ختم هوگا - پنچ
بالعموم اپنا مخاطب عوام کو سمجھتا هے ' ممکن هے پنچ
کو اس سے انکار هو لیکن خود عوام اس سے کبھي انکار نه کرینگے -
یہاں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا که پنچ بعض
پیچیدہ نکتے ' دقیق مسائل ' اور پر لطف اشارات کو اکثر
ایسے انداز سے پیش کرتا هے که عوام اس کو سمجھه سکیں یا
نہیں لیکن اس پر سر دھننے کے لئے آمادہ هو جاتے هیں - تاهم
یه فن یا طریقۂ کار اپنے مقاصد کے اعتبار سے کتنا هي مستحسن
کیوں نه هو حد درجه نازک اور خطرناک هے - اکثر ایسا هوتا هے که اس
کوشش میں قطعاً ناکامیابي هوتي هے اور پنچ کي ظرافت سوقیانه
اور بازاري هو جاتي هے -

"عام پسند" یا "خاص پسند" کا مسئله نازک اور
مشکل هے - سیاسي اور معاشرتي مسائل کي اهمیت ممکن هے
"عام پسندی" سے وابسته هو لیکن جہاں تک اس کا تعلق
طنز و ظرافت کے فن یا مذاق سلیم سے هے یه کہنے میں تامل
نہیں کیا جا سکتا که طنز اور ظرافت کو هر حال میں تکسالي
هونا چاهئے - عوام کے مذاق کو بھي ' خواص ' کے سطح پر لانے
کي کوشش کرنا چاهئے - اس کوشش کا سب سے پہلا اور سب
سے قوي اثر یه هوگا که ظرافت کي سطح مائل به پستی هونے
کے بجائے هیشه مائل به عروج رهیگي - یه چیز نہایت ضروري
هے اور ظاهر هے اس مقصد کي کامیابي میں پنچ کي خدمات
سے همیشه رجوع کرنا پڑےگا -

پست اور سستے قسم کي ظرافت کي اشاعت کا جرم اودھ پنچ

پر عائد ہوتا ہو یا نہ ہو ' پنچ پر یہ پورے طور پر عائد ہوتا ہے اور یہاں بقول ہمارے ایک دوست پنچ کے " شامل میں " وہ تمام اخبارات اور رسائل آجاتے ہیں جو اکثر پتلکی کاغذ پر شائع ہوتے ہیں اور جنکا سر ورق اڈیٹر اور اڈیٹوریل اسٹاف کی " قلمی تصاویر سے مزین " ہوتا ہے - پنچ کے نام و نسبت سے بہار ' ممالک متحدہ ' دکن وغیرہ میں اکثر صحائف شائع ہوتے ہیں - ان سب کے مخاطب عوام ہوتے ہیں اور ان کی ظرافت بھی بازاری ہوتی ہے - یہ سب اپنی ابتدا اور ارتقا کے اعتبار سے اودھ پنچ کے تابعین اور تبع تابعین میں سے ہیں لیکن ان کو اپنے مورث یا مرشد سے وہی نسبت ہے جو آج کل کے پیر پیشواؤں کو قدیم اکابر دین سے ہے - حسن و عشق کو جتنا طوائفوں اور شاعروں نے بدنام کیا ہے اس سے کچھ سوا ہی طنز اور ظرافت کو پنچ اور......(یہ الفاظ اصل مسودہ میں صاف پڑھے نہیں گئے ! رشید) نے رسوا کیا ہے -

اودھ پنچ کی روایات کی ابتدا منشی سجاد حسین کی بے باک صداقت اور بے لاگ ظرافت سے ہوئی اور اب اس کی تکمیل کی ذمہ‌داری حکیم شیخ ممتاز حسن صاحب کے سپرد ہے اور یہ اودھ پنچ کی انتہائی خوش نصیبی ہے - حکیم صاحب کی علمی قابلیت اور ہمہ‌دانی مسلم ہے - راقم‌السطور نے ان کو قدیم وضعداری اور جدید روشن خیالی کا ایک متوازن پیکر پایا - لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی بھی قسم نہیں کھائی جا سکتی کہ وہ طنز اور ظرافت کے فلسفہ اخلاق کے بھی ماہر ہیں - اودھ پنچ میں اکثر مضامین ایسے بھی پائے گئے ہیں جن کو شائع نہ کرنا بہتر تھا جن کی ظرافت مشتبہ اور دل آزارانہ تنقید مسلم تھی

اودھ پنچ کو کسی مخصوص جماعت کے مسلک و مشرب کے خلاف اپنی طنز یا ظرافت کي خواہ مخواہ یا مسلسل اشاعت نہ کرني چاهئے - طنز و ظرافت کا شمار دنیا کے بعض مہلک ترین اسلحہ‌جات میں ہوتا ھے - اس کے استعمال کا منصب ھر وقت ھر سپاهي یا پیادہ کو نہ ھونا چاهئے بلکہ سپہ‌سالار کي خاص اجازت پر اور اسکي براہ‌راست نگراني میں اس کو بروئے کار لانا چاهئے -

اگر اکبر سرشار اور آزاد قدیم اودھ پنچ کے آوردوں میں سے تھے تو اس سے بھي انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سید مقبول حسن ظریف جدید اودھ پنچ کے چشم و چراغ ھیں - جہاں تک معلوم ھوسکا ھے ' سید صاحب ظریف شاعر ھیں -

راقم‌السطور کي نظر سے ظریف صاحب کا کوئي ایسا مضمون نہیں گذرا جو نثر میں ھو - ممکن ھے ظریف صاحب نے نثر میں بھي ظرافت نگاري کي ھو لیکن اس کو قبول عام نصیب نہیں ھوا - ظریف صاحب کي ظرافت بالعموم "زبان" اور "بیان" سے وابستہ ھوتي ھے - اس کے یہ معني نہیں ھیں کہ واقعات اور حالات پر ان کی نظر نہیں ھوتي - کہنے کا مقصد یہ ھے کہ ان کي زبان اور ان کا بیان اس درجہ بے ساختہ اور لطیف ھوتا ھے کہ سننے اور پڑھنے والا بےاختیار ھونے پر مجبور ھو جاتا ھے - موجودہ دور میں ظرافت‌نگار شاعر کي حیثیت سے ظریف صاحب کا پایہ اپنے معاصرین سے بہت بلند ھے -

راقم‌السطور کا خیال ھے کہ ظریف صاحب کو تمثیل‌نگاري (ڈرامہ) کي طرف توجہ کرنا چاهئے - اس میں شک نہیں کہ تمثیل‌نگار کے لئے جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ھے وہ ظریف صاحب میں غالباً بدرجہ اتم موجود نہیں ھے یعني وہ انساني فطرت اور معاشرت کي نزاکت اور حقائق سے پورے طور پر آشنا نہیں معلوم ھوتے - تاهم اس

سلسلہ میں جہاں تک زور بیان یا لطف بیان کا تعلق ہے اور یہ عنصر بھی کچھہ کم وقیع نہیں ہے وہ اس فن کے امام ہیں -

ظریف صاحب کی ایک مشہور نظم یہاں ہدیہ ناظرین ہے - گنجائش نہ ہونے کے سبب سے صرف اسی نظم پر اکتفا کی جاتی ہے ورنہ اس کے علاوہ سید صاحب کی دیگر نظمیں بھی کچھہ کم قابل اعتنا نہیں ہیں - اس سلسلہ میں ناظرین کی توجہ ظریف صاحب کی مشہور منظوم سیاحت ' سیاحت عراق کی طرف بھی مبذول کرائی جاتی ہے جو اپنی مخصوص نوعیت کے اعتبار سے اُردو ادب میں نہایت وقیع حیثیت رکھتی ہے -

---

## شامت الکشن

( مُسدس )

واہ بی میونسپلٹی جسان ' کیا کہنا ترا
تو چچی لیلیٰ کی ' عاشق تیرا مجنوں کا چچا
اپنی خودداری کو کھو کر تجھہ پہ جو شیدا ہوا
بے خودی میں یہ زبانِ حال سے کہتے سنا
بسکہ دیوانہ شدم عقل رسا درکار نیست
عاشق میونسپلٹی را حیا درکار نیست

تیرا خواہشمند ' ہر قید لیاقت سے بری
جس کا جی چاہے لڑے اور لڑکے لے لے ممبری
عہد آزادی نے ایسی ڈال دی ہے ابتری
اب تو ہر تانیث اور تذکیر میں ہے ہمسری

تجھکو کیا رنڈی ھے کوئی یا نہ رنڈی باز ھے
تیرا دروازہ کس و ناکس کے اوپر باز ھے
جمع کردے قرض ھی لیکر ضمانت کے پچاس
دور ھوتی جائے غیرت جب الکشن آئے پاس
ووٹروں کے ھاتھہ جوڑے خوب ھو کر بدحواس
گڑ گڑا کر ھر کس و ناکس سے ھو یہ التماس
رھن پرچے کے عوض عزت میری کر لیجئے
اپنے بچوں کا تصدق ووٹ مجھکو دیجئے

---

سنئے اک صاحب کا قصہ جب ھوئی شامت سوار
یہ ضمانت کرکے داخل بن گئے اُمید وار
چھوڑا پیشہ ' ترک فرمایا جو کچھہ تھا کار بار
کچھہ اثاث‌البیت بیچا کچھہ لیا سودی اُدھار
مضطرب رھتے تھے یہ نام آوری کے واسطے
گھر سے نکلے ووٹ لینے ممبری کے واسطے
سب سے پہلے اُن کو جس ووٹر کے گھر جانا پڑا
شیخ بدھو نام تھا اور تھا جولاھا قوم کا
دھوتی باندھے مرزئی پہنے تنا بیٹھا ھوا
اک سڑا مٹی کا حقا پی رھا تھا کج ادا
جاتے ھی تسلیم کی جب اس کو باصد احترام
منھہ کو تیڑھا کر کے بولا '' کو ھے بالیکم سلام ''
کون
بولے یہ پہلے نہ آیا میں ' ھوا اتنا قصور
شیخ بدھو آپ مجھپر رحم فرمائیں حضور

آپ کو والد کہا کرتے تھے بھائی اب سے دور

میں بھتیجا آپ کا ہوں ووٹ لے لونگا ضرور

بولے بدھو کا کہو ہم کہہ کا کہہ کا ووٹ دے ئی
کیا کہا کس کو کس کو ووٹ دیں

ووٹ پہھٹے او جو ترتے ہم کا دس کا لوٹ دے ئی
ووٹ پائے گا وہ جلد نوٹ

ساس یہہ میلا سپٹی ہے نہ جانے کہا بلا
کون والا

اور تم لمبر جو ہوے جھو تو ہمرا پھائدا ؟
ممبر فائدہ

ہم کبہوں تم کا نہ دیکھا اور نہ تمرے باپ کا
کبھی کو

آوتے ہی آوت بلایو بس نہک ہم کا چھپا
آتے ہی آتے ناحق

ہوئے گوا ھسہار بوہو آ تم چلے ہو چوٹ دے ؟
ہشیار دینے

کان پکڑا ہم نہ جاوب اب کہو کا ووٹ دے
کسی کو

ہم یہہ نریا پہ اک دن بونڈھ کے موتا جرا
اسی نالی ذرا

کا کہی ہو جھٹ دے چالان ہمرا ہوئے گوا
سے ہو گیا

جب کوؤ ممبر نہ آوا اور نہ پوچھس کا ہووا
کوئی کیا ہوا

ہم کچہری ماں مجسٹر سے ابرداری کیا
میں مجسٹریٹ عذر داری

معدما جھوٹا ہے صاحب ہم ماں یہہ بوتا نہیں
مقدمہ توت

سچ کبھی میلا سنٹر پسر کہو موتا نہیں
میونسپلٹی کبھی

جب سرتے دار بولا لا ہوے کونو گواہ
سرشتہ دار کوئي

ہم کہا سسرا جمادروا کہس ہم کا تباہ
جمعدار

ہم جولاھا آپ کے اور آپ تہرے بادساہ

کون کہہ کے سامنے موتت هے صاحب واہ واہ
کس کے موتتا هے

هنس کے کہہ دینس مجھٹر سیکھہ جی جاؤ بري
کہہ دیا شیخ جي

رہ گئي منھہ باے کے سب لمبرن کي لمبري
کہول کے ممبري

سن لیہو ساري کتھا ؟ دے ہو کہ ناھیں یہ بتاؤ ؟

بوٹ مانگے آئے هو هم سے تو هم کا کچھہ دلاؤ

کے چکن بکواس اب بھیا نہ همرا مور کھاؤ
کرچکے سر

کہہ دیا بس کہہ دیا هم جاؤ چُپے گھر کا جاؤ
چپ

جو رکم تم سے کہا سب پیسگی لے لیب هم
رقم پیشگي لے لینگے

بوٹ دے موٹر پہ لے جیہو تو هاں دے دیب هم
دینے لے جاؤ گے دیدینگے

جب میاں بدھو کے تیور اس قدر دیکھے کڑے

دھنے بائیں دیکھہ جھٹ قدموں پہ آکر گر پڑے

دل میں پچھتاے کہ آخر کیوں هوئے تھے هم کھڑے

کہئے ایسے جاهلوں سے کیا کوئی کشتي لڑے

آبرو کے ساتھہ دے کر " پانچ " راضي کر لیا

کامیابي پر هوئے خوش تاؤ موچھوں پر دیا

آگے بڑھکر ایک حضرت کا ہوا پھر سامنا
اُن سے جاکر اس طرح کی عرض باصد التجا
بندہ پرور ایک مذہب ہے ہمارا آپ کا
ووٹ دیجئے گا جو مجھکو آپ خوش ہوگا خدا
ہیں مرے حلقے میں جو جو میرے مذہب کے خلاف
دیکھیے ممبر ذرا ہو لوں تو کر دوں سب کو صاف
مہتر اُن کے دریہ جھاڑو دیئے آئے کیا مجال ؟
اور سقا مشک سے نالی دھلائے کیا مجال
ٹیکس گھروارے کا اُنپر بندھہ نہ جائے کیا مجال
لے لیں بمبا گھر میں پہ مہتر لگائے تھا مجال
ناچ ننگی کا اُنہیں اب میں نچاؤنگا حضور
دیکھئے کس کس طرح اُن کو ستاؤنگا حضور
خوش ہوے سن کر جناب مولویؐ مکتبی
ہاتھہ پھیرا ریش پر اور اس طرح تقریر کی
آپ اُس کے اہل ہیں میری نظر میں واقعی
ذات سامی کو سمجھتا ہوں میں فخر ممبری
محترم ! میں وعدہ قبل از وقت کرسکتا نہیں
فرض ہے ایفائے وعدہ پھر مکر سکتا نہیں
اس میں اک اشکال شرعی اور بھی ہے کیا کہوں
میں اعانت آپ کی بالفرض قرطاساً کروں
رائے تو اپنی نہ ء کردوں عوض کچھہ بھی نہ لوں
کیوں بدا ضائع کروں کس واسطے ممبر بنوں
جانتا ہوں یہ بھی میری رائے ہے کتنی وقیع
منت ضائع کیوں کروں جب میں نہیں ہوں مستطیع

حسب خواہش گر بدل مجھکو عطا کردیں جناب
کیا عجب پیش خدا ماجور بھي ھوں اور مثاب
میں نے دکھلا دي حدود شرع میں راہ صواب
میرے معروضات کو فرمائے گر مستجاب
رائے دے دینے میں احقر کو تامل کچھہ نہ ھو
خود کروں تعجیل حتماً پھر تساھل کچھہ نہ ھو
رائے دیدوں گا عوض میں آپکو " خمسین " کے
انکے ھي ملتے ھیں مجھکو وعظ کے تلقین کے
حضرت والا تو کچھہ پابند ھیں آئین کے
اس سے کم دینا مرادف ھے مري توھین کے
ھاں یہ ممکن ھے کہ کچھہ تقلیل فرما دیجیے
ھے یہ کار خیراب تعجیل فرما دیجئے
خلّص احباب سے کیوں استشارہ کیجئے
راز پوشیدہ رھے کیوں آشکارا کیجئے
سب سے اچھا ھے ذرا زحمت گوارا کیجئے
لیجئے تسبیح مجھہ سے استخارا کیجئے
عرض کي ھے میں نے جو انکي رقم پر دیکھئے
ملع جب آئے تو پھر کچھہ اُس سے کم پر دیکھئے
یہ نہایت کائیں تھے دل میں بولے سوچ کے
شکل تو اچھي ھے پر زیبا نہیں میرے لئے
استخارہ میں کروں کیسا آپ کے ھوتے ھوئے
کرتا ھوں نیت تو میں آپ استخارہ دیکھئے
نیت ان کے دل میں تھی تسبیح اُن کے ھاتھہ میں
چوھا اپني گھات میں تھا بلی اپني گھات میں

مطلع آیا استخارہ چھوٹتے ہی پہلی بار
مولوی صاحب کے چہرے پر ہوا کچھ انزجار
پھر جو دیکھا واجب آیا ہو گئے بے اختیار
پوچھا نیت کس قدر پر کی تھی بھر خاکسار
بولے نیت دس پہ کی تھی لیجئے بندہ نواز
کامیابی کی دعا فرمائیے بعد از نماز
اس جگہ سے اٹھ کے گھر پر ایک صاحب کے گئے
دس برس ناکام رہنے پر ہوئے تھے جو بی اے
ریلوے میں تھے ملازم خود بھی تھے چلتے ہوئے
آپ کی تنخواہ تو کم تھی ٹھاٹ تھے لیکن بڑے
انگلش اسٹائل پہ رہنے کا جو ان کو شوق تھا
بوٹ بھڑی پاؤں کی کالر گلے کا طوق تھا
پھوس کے چھپر میں رہتے تھے یہ اس سامان سے
اور فرنیچر تو خارج ان کے تھا امکان سے
ٹوٹی پھوٹی کرسیاں لے کر کسی دوکان سے
بیٹھتے تھے اُن پہ چھپر میں نہایت شان سے
نام اک تختی پہ لکھ رکھا تھا یوں بھر وقار
'' مسٹر ابراھام '' بی اے - ٹی ٹی سی ' ای آئی آر
دیکھ کر صورت کو ان کی اس طرح کہنے لگے
'' آئی ایم ویری بزی میک ہسیٹ جلدی بولئے ''
پھر ادھر تھلے ادھر ٹہلے گھڑی کو دیکھ کے
اپنے کتے سے کہا دم سون '' ان سے '' گواوے ''
پھر کہا یو آر کنڈیڈیٹ بٹ نو بولڈ مین
تم تو اپنی ورث کیسے دیگا صاحب اولڈ مین !

چونکہ کنڈیڈیٹ انگریزی سمجھتے ھی نہ تھے
گڑ گڑا کر اس طرح صاحب سے فرمانے لگے
یہ تو ممکن ھي نہیں ھے آپ پیدل جائے
میں نے موٹر مانگ لي ھے آپ ھي کے واسطے
اور کیوں کر اس طرح چلئے گا دیئے مجھکو ووٹ
کیجیے پاکٹ بک پہ تاریخ الکشن جلد نوٹ
بات انگریزي نما اردو میں یوں صاحب نے کي
ھم کہا انگلش میں تم سمجھا نہیں "او آئي سی"
دیکھو اپنی ووٹ رکھني مانگتا ھے ھم فری
کس کو دے گا پہلے بتلانے نہیں سکتا کبھي
ھام ستي فادر نہیں تم کو بلانے مانگتا
ھم
دیم پھر موٹر پہ ھم کاھے کو جانے مانگتا
ھو کے یہ مایوس جب پلٹے وھاں سے منھہ بنائے
دل میں کہتے تھے کہ ان کا ووٹ تو جاتا ھے ھائے
سال بھر پہلے بڑے دن میں جو ڈالی دے تو پائے
اب بجز اس کے کوئي صورت نہیں بنتي بنائے
فیس دے کر نرس اک بھر سفارش لاؤنگا
چل گیا چکمہ تو ان سے ووٹ پھر لے جاؤنگا
پھر بڑھے آگے یہاں سے ووٹ کے ارمان میں
گھس پڑے یہ اک بز قصاب کي دوکان میں
نذر میں پڑھکر قصیدہ پہلے اُس کي شان میں
چاھتے تھے یہ کہیں کچھہ شیخ جی کے کان میں
یوں کلوتی کو بدل کر شیخ صاحب نے کہا
سنئے حجرت ھم لگي لپٹي نہیں رکھتے جرا
حضرت ذرا

چودھری نے کل کہا تھا ہم سے اے بھیا سکور
سیکھ ملّے جسکو کہہ دیں بوٹ دیدیدا جرور
ضرور

پر مداھي کر گئے جب مولبي عبدل گشور
رابھجي کو بوٹ دے سکتے نہیں ہم تو حجور
رافضی حضور

سلتے ھیں '' کرآن '' میں پھرما ائے تھے کھود رسول
قرآن فرما خود
دین کي جب بات تھہري دکھل دیدا ہے پھجول
دخل فضول

حاجی کطب‌الدین بھي کہتے تھے سچي ہے یہ بات
گیــر مجھــب والے کــو لمبر بلانا باھیات
غیر مذهب ممبر واهیات
سیکھ جي مجہب تمہارا اور اُن کی اور جات
ذات

ھو کے ممبر وہ کھدا جانے دریں کیا واردات
خدا
ھاں کوئي مجھب کا اپنے ھو تو اُس کو بوٹ دو
جب تمہیں موکا ملے ایسوں کو بھیا چوٹ دو
موقع

ان کو یوں قصاب نے جب دے دیا سوکھا جواب
یہ اُٹھے دوکاں سے مایوس باچشم پُرآب
اپنے ووٹر سے کہا جا کر کہ سنئے تو جناب
آپ ھي تدبیر اب سوچھ لیجئے اسکي شتاب
صرف کي پروا نہیں جو ھو مناسب کیجئے
شیخ جي کے ووٹ کو لیکن نہ جانے دیجئے

دل میں ورکر خوش ہوے کہنے لگے باصد سرور
اس طرف سے آپ بالکل مطمئن رہیے حضور
اور لوگوں سے زیادہ صرف تو ہوگا ضرور
تو سہی جب آپ ہی کر ووٹ دیں عبدالشکور
پیر لوٹن شاہ کی خدمت میں جاتا ہوں ابھی
حکم اُن کا شیخ جی کے پاس لاتا ہوں ابھی
پیر لوٹن شاہ تھے اک خاندانی تکیہ‌دار
آنکھ میں سرمہ کئی رتی ' گلے میں چند ہار
ریش اقدس پان کے دھبوں سے رشک لالہ زار
گیروا کرتا گلے میں ہاتھ میں اک پشت خار
زرد تہمد پاؤں میں لکڑی کی اونچی سی کھڑاؤں
گھومتے پھرتے تھے یونہیں شہر شہر اور گاؤں گاؤں
پہونچے ورکر اُن کی خدمت میں بہ تعجیل تمام
دو روپیہ نذرانے کے دے کر کیا جھک کے سلام
عرض کی ہیں آپ تو حاجت روائے خاص و عام
شیخ جی کا ووٹ دلوا دیجئے بس ہے یہ کام
چونکہ ہیں حضرت کی بعیت میں میاں عبدالشکور
آپ فرمادیں اگر تو ووٹ دیدیں گے ضرور
آپ کی دعوت کا کل گھر پر کرونگا انتظام
شیخ جی کو بھی بلالونگا وہیں پر وقت شام
تذکرہ ' میں ووٹ کا چھیڑونگا مابین الطعام
آپ ان کو حکم دیدنگے تو ہو جائےگا کام
بولے لوٹن شاہ با با خوش رہو " دعوت قبول "
ہم فقیروں کی دعا سے ہوگا سب مطلب حصول

مختصر سے ابتدائي واقعے جو کچھہ لکھے
کیا عجب کافي هوں یہ پبلک کي عبرت کے لئے
اس طرح کے ووٹر اور ممبر هوں جب اس قسم کے
کہیے اس میونسپلٹي سے کسے راحت ملے
ساکنان شہر اب هشیار هونا چاهئے
ممبر اور ووٹر کا کچھہ معیار هونا چاهئے

---

منشي سجاد حسین مرحوم کا اودھ پانچ جس زمانے میں اپنے پورے شباب پر تھا اُسی زمانہ میں سید ریاض احمد ریاض ( خیرآبادي ) کا ریاض الاخبار گورکھپور سے نکل رہا تھا - فتنہ و عطر فتنہ بھي ریاض الاخبار کے ساتھہ نکلا کرتے تھے ' فتنہ اپنے نام کے لحاظ سے فتنہ هی تھا ' پوسٹ کارڈ سایز سے بڑی کم ' ۱۶ صفحہ کي بساط هي کیا هے ' مگر جس شوخي اور جس لطیف طنز کے نمونے اس میں پائے جاتے هیں ' اُس زمانے کے لحاظ سے اس کی جس قدر بھی داد دي جائے کم هے ' فتنہ " کل قصیر اُفتنہ " کا مصداق تھا اور هر بزم ادب میں نہایت شوق سے پڑھا جاتا تھا ' حضرت ریاض هی کا شعر هے :—

فتنہ و عطار
فتنہ اور حضرت
ریاض خیرآبادي

فتنہ کو پوچھتا هے کوئی کس ادا کے ساتھہ
چھوٹا سا وہ ریاض کا اخبار کیا هوا

" فتنہ " میں مختصر نثر کے شوخ اور ظریفانہ مضامین هوتے تھے اور عطر فتنہ میں اُس زمانے کے شعرا کا منتخب کلام شایع هوتا تھا - حضرت ریاض نے جب ریاض الاخبار حکیم برحم

مرحوم کے سپرد کیا تو اُسی کے ساتھہ فتنہ و عطر فتنہ بھی حکیم صاحب مرحوم کو دیدیا ' حکیم صاحب نے کچھہ دنوں کے بعد ریاض الاخبار بند کر کے " مشرق " نکالا اور فتنہ و عطر فتنہ کو چند دنوں تک جاری رکھا ' فتنہ کے خاص لکھنے والوں میں خود حکیم برهم مرحوم ' علي اصغر آزاد چشتي اور ع - ک آزاد مرحوم تھے -- ان مضامین میں زیادہ تر مقامي رنگ اور شباب و لذت نظر کا مظاهرہ هوتا تھا -- مگر لطافت مذاق کا دامن کہیں سے چھتنا نہ تھا - حضرت ریاض خیرآبادي کي شاعري جس خصوصیت کی حامل هے اس کي صحیح مثال اگر دیکھنا هو تو فتنہ و عطر فتنہ کو دیکھنا چاهئے - ان کي شاعري حسن و عشق کی چھیڑ چھاڑ ' رندانہ شوخی ' اور سوسائٹي کي زندہ دلي کا مظاهرہ هے ' فتنہ و عطر فتنہ کے اوراق بھي پورے پورے طور پر انھیں چیزوں کے حامل تھے ' اپنے اختصار ظاهري اور هیئت تمویني کی مناسبت سے فتنہ کے مضامین بھی فقرے ' جملے اور چتکلوں سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے لیکن اُن میں تیزي اور نشتریت بلا کي تھي ' شاید اس سے زائد تفصیل و طوالت فتنہ و عطر فتنہ کے قد و قامت کو پیش نظر رکھکر ' مناسب نہ هو ' لیکن اس کے روح رواں حضرت ریاض خیرآبادي کے شوخ و رندانہ کلام کے کچھہ نمونے یہاں پیش کر دینا غالباً بےموقع نہ هو - حضرت ریاض کي شاعري مجموعي طور پر ایک منفرد حیثیت رکھتي هے خمریات کے سلسلے میں ان کي شوخي و رندی کی لَے جہاں جہاں ذرا اونچی هو گئی هے وهاں طنز و

ظرافت کا بھی بہترین نمونہ بن گئی ہے ۔ اِس طرح کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :—

اس طرح کل طرفِ میکدہ جاتے تھے ریاض
ایک عصا تھامے ' عبا پہنے عمامہ باندھے

---

زمزمی سے جامِ مے میں کر پڑا پانی سوا
میری قسمت کی جو تھی وہ آج سب پانی ہوئی

---

بڑے نیک طینت بڑے صاف باطن
ریاض آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

---

تا میکدہ ریاض کا جانا محال تھا
کس طرح یہ بزرگ خمیدہ کمر گئے

---

سر بزم واعظ سے دبلنا پڑا
وہ خُم سے سوا تھا تن و توش میں

---

ادب سے پی نہیں سکتا ہوں بے اجازت شیخ
ذرا یہ سر جو ہلاوے ابھی سبو آئے

---

کھچڑی داڑھی نے آبرو رکھ لی
قرض پی آئے اک دوکان سے آج

اُٹھے کبھی گھبرا کے تو مےخانہ میں ہو آئے
پی آئے تو پھر بیٹھ رہے یاد خدا میں

---

وہ بیٹھے ریاض آج تو کچھ جھوم رہے ہیں
اب یہ بھی گئے جاتے ہیں مردان خدا میں
عمر بھر ساتھ فرشتوں کے نباہی کیسی
دیکھنا یہ ہے کہ دیتے ہیں گواہی کیسی

---

ہماری نظر شیخ پر حشر میں تھی
وہ سر پر لئے حوض کوثر نہ نکلے

---

یہ کیا مذاق فرشتوں کو آج سوجھا ہے
ہجوم حشر میں لے آئے ہیں پلا کے مجھے

---

ہمیں چاٹ کوثر کی دی واعظوں نے
ملے ہم کو پیرِ مغاں کیسے کیسے

---

گُناہ اور اس پر فرشتے بھی دو دو
مرے سر ہیں بار گراں کیسے کیسے

---

اٹھے لئے کہ آؤ بھگت میکدے میں ہو
پوچھا جو گھر کسی نے تو کعبہ بتا دیا

---

کیسے یہ بادہ خوار ہیں سُن سُن کے پی گئے
واعظ کو کچھ مزہ نہ کسی نے چکھا دیا

---

ہمارا عیب کھلتا ہے نہ کھلتی ہے چھوٹی بوتل
ہمارے کام کیا کیا جامۂ احرام آتا ہے

---

وہ بوی بخشے گئے ہم بادہ کشوں کے ہمراہ
آج جنت میں ہمیں ناصح مغرور ملے

---

اُتری ہے آسمان سے جو کل اُٹھا تو لا
طاق حرم سے شیخ وہ بوتل اُٹھا تو لا

---

دست شفقت اس طرح اک رند نے پھیرا ریاض
بیٹھ کر یادِ خدا میں جھومتا جاتا رہا

---

سلطان حیدر جوش (علیگ) کی طنز میں فلسفیانہ ظرافت اور ظرافت میں فلسفیانہ طنز کا دلنشین عنصر بہت نمایاں ہے - اس قسم کی ظرافت اور طنز کی ابتدا ، اردو ادب میں ، کسی نہ کسی حد تک ، سلطان حیدر صاحب ہی کی جدت طبع کا نتیجہ ہے - جوش غالباً پہلے لکھنے والے ہیں جنہوں نے اردو طنزیات اور مضحکات میں مغربی آب و رنگ پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی - ان کی تحریر میں اسپیکٹیٹر کی نشتریت بھی کہیں کہیں نظر آجاتی ہے کو اسپیکٹیٹر کی رعنائی خیال ، پاکیزگی بیان ،

ژرف نگاهي ' ایجاز و اختصار اور بے ساختگي کا فقدان بھي ھے -
سلطان حیدر کہنہ مشق انشاپرداز ھي نہیں بلکہ پختہ کار شخص
بھي ھیں - اُن کے خیالات میں بے ساختگي اور برجستگي کی
کمي کو اُن کا عمیق تجربہ اور عمیق‌تر احساس ذمہ‌داري پورا
کردیتا ھے - اُن کي تحریر میں غیرذمہ‌دارانہ فقرے بہت کم نظر
آئیں گے - یہہ ان کي انشاپردازی کا ممکن ھے کمزور پہلو ھو لیکن
ان کي شخصیت کا طرۂ امتیاز یقیناً ھے -

مضامین کا جستہ جستہ نمونہ حسب ذیل ھے :—

'' نئي دنیا نہ کہیں ٹھہري ھے نہ ٹھہرے گي - نئي روشني کا
انسان نہ کسي حد پر پہونچ کر رکا ھے نہ رکےگا ! وہ سب سے پہلے ایک
رقیق مادہ کی شکل میں ظاھر ھوئي - گردش میں اپني پہلي جگہہ
سے شرارہ کي طرح علحدہ ھوئي اور کچھہ فاصلہ پر قایم ھوکر خود
چکرانے لگي - پھر اس سے ایک شرارہ نکل‌کر چاند بنا اور ؟ اور کیا وہ
ٹھنڈی ھوئی - اس پر ھواؤں کے طوفان آئے ' نامتناھی بارش کا سلسلہ
جاری ھوا - وہ سخت ھوئي ' اس پر چھلکا بنا ' دریا پیدا ھوئے '
پہاڑ نظر آئے - درخت وجود میں آئے عجیب‌الخلقت مخلوق
اس پر حاوی رھی - مگر وہ برابر اپنا روپ بدلتي رھي ' بدل رھي ھے
اور بدلتي رھیگي - یعني انسان پروٹوپلازم کـي ترقي‌یافتہ
صورت پہلے ایک مادہ تھا ' پھر اُس میں احساس پیدا ھوا ' پھر
نمو شروع ھوئي ' پھر حیوان بنا اور نئي نئي پوشاکیں پہنتا
ھوا بندر کے تمام مدارج طے کرکے انسانیت میں قدم‌زن ھوا
اور رھےگا - نہ اُس کو قرار نہ اُس کو چین - یہہ بندر سے
انسان بننے والي مخلوق اب انسانیت کے مدارج طے کر رھي ھے
اُس کے بعد کوئي نہیں کہہ سکتا کہ ترقي کے زینہ میں کہاں

پہنچےگي ! بہت ممکن ھے کہ وہ بندر جو خوش قسمتي سے اب تک انسان نہیں بنے ھیں ہنستے ھوں اور حضرت انسان کي کشمکش دیکھکر انسانیت کے نام سے کانوں پر ھاتھہ دھرتے ھوں - مگر یہہ ایک فیکٹ ھے اور اس سے انکار خدا کے وجود سے انکار سے زیادہ ناقابل معافي گناہ اور حماقت ھے !

باوا آدم کی اولاد انسان تو ھمیشہ سے انسان ھي ھے - انسان کے علاوہ کسي اور روپ میں نہ وہ کبھي جلوہفگن ھوا اور نہ آئیندہ ھونے کي اُمید رکھتا ھے !

انسانیت کے دائرہ سے اس نے نہ کبھي قدم باھر رکھا نہ رکھےگا ! اس لئے وہ ایک خاص حد پر پہونچ کر قانع ھو جاتا ھے ' رک جاتا ھے اور اپنے مذھب یا عقیدہ کو اپني زندگی کے لئے بلکہ ھر ایک آنے والي نسل کي زندگي کے لئے کافي مان لیتا ھے - اس کا خاص خیالات سے تجاوز نہ کرنا کچھہ بھي تعجب نہیں - مذھب اس کو مانع ' خدا اس کو مانع ' لہذا وہ اپنے عقیدہ کے موافق جائز حدود سے تجاوز کبھي کسي زمانہ میں نہیں کرسکتا !

مگر پروٹوپلازم سے بندر اور بندر سے انسان بننے والا ' بلکہ انسانیت سے گذر کر خدا جانے اور کیا کچھہ بننے کے لئے تیار انسان نہ کہیں ٹھہرا ھے نہ ٹھہرنا چاھتا ھے ' نہ ٹھہرےگا - ترقي ایک لامحدود چیز ھے اور زمانہ برابر بڑھ جانے والی شے - خیالات تبدیل ھونے والي چیز اور تہذیب زمانہ کے موافق منقلب ! لہذا نئي روشني کے انسانوں کے لئے کوئي روک نہیں ! یہ امید رکھنا کہ بغیر کسي عقیدہ مذھبي کے وہ خود بخود تہذیب کي حد سے نہ گذرےگا " اسی قدر لغو ھے جس قدر کہ مہمل........"

'' سنسر ''

''..........کل کے برخوردار آج کے پدر بزرگوار ہیں !
ہر چیز ترقی کے رنگ میں کینچلی اُتارتے رہنے کی عادی
ہے سنسر کی شخصیت نے بھی زمانہ کے قدم بقدم چل کر
حسب حاجت ہمیشہ نئے قالب اختیار کئے ہیں ! جس وقت
سے اسکول اور نئی یونیورسٹی نے جنم لیا ' سنسر کی ذات
نے بھی اس دائرہ میں شکل ممتحن میں جلوہ فرمایا -
جس قدر تعلیم کی تیز روشنی کے ساتھہ طلبا کی تعداد بڑھتی گئی
اِسی نسبت سے جزو سنسری ممتحن کی ذات و صفات پر
غالب آتا گیا - چنانچہ فی زمانہ اگر تعلیم اس حد پر
پہنچ گئی ہے کہ قلی بھی انٹرنس پاس سے کم نہیں لیا
جاتا ' تو ممتحن کا فعل قطع و برید بھی اس درجہ بڑھہ گیا ہے
کہ اگر سو لڑکے اِنٹرنس میں شامل ہوں تو ام اے پاس کرنے
تک بلا مبالغہ صرف ایک ذات واحد رہ جائیگی اور اگر اس
سے آگے قدم........بڑھایا گیا تو شاید سنسر تعلیم کی جوع
قطع و برید کو سیر کرنے کے لئے فردوس بریں کے رہنے والے
تعداد کو پورا کرنے کی خاطر طبقۂ اسفل کی طرف تشریف
لیجاکر شریک امتحان ہونگے !

''...........ہر چیز کے لئے ایک خاص حد مقرر ہے
اور جب کوئی چیز اپنی حد مقررہ سے متجاوز ہو جاتی ہے تو
سنسر کی ذات قاطع ' موزوں شکل میں جلوہ گر ہو کر ضروری
اصلاح کا فرض پورا کر دیتی ہے - انسانی آبادی ہمیشہ
رو بترقی ہے اس لئے جب کبھی اور جہاں کبھی یہ آبادی
مردم‌شماری کے معین حدود سے بڑھہ جاتی ہے فوراً حسب

رفتار ترقي اس کی قطع و برید هو جاتي هے! '' حسب رفتار ترقي '' سے یہ مطلب هے کہ جس حصہ ملک میں دو افراد انساني کی باهمی کوشش سال بھر میں صرف ایک تیسرے وجود کو پیدا کر سکے وهاں سنسر کي روح معض وبائی موسمی رنگ میں تھوڑے سے اجسام کا قلع و قمع کرکے اعداد کي اصلاح کر دیتي هے اور جس طبقہ مردم‌خیز میں ایک اور ایک ملکر گیارہ هو جاتے هوں وهاں سنسر کي ذات بھي جنگ تباہ‌کن کي شکل میں بلائے آسماني کي طرح نازل هو کر درجن کے درجن لشکروں میں قفافي‌الحرب کر ڈالتي هے۔۔۔۔۔۔''

---

شوکت تھانوي اور ملا رموزي کا انداز تحریر تقریباً ملتا جلتا هے - یہاں ملا رموزي کے اس رنگ سے بحث نہیں هے جو انھوں نے ابتدا میں گلابی اُردو کے تحت میں اختیار کر رکھا تھا - گلابي اُردو کي تشریح نازش رضوی صاحب نے یوں کي هے :

'' گلابي اُردو میں ملا رموزی صاحب نے مشہور فارسی ' عربی ضرب‌الامثال ' اشعار اور مقولوں کے اُردو ترجمہ میں اپني اجتہاد و تصرف سے جو ندرت و شگفتگی پیدا کی هے وہ ادبیات اُردو میں زعفران‌زار کي حیثیت حاصل کر چکی هے - ''

ملا رموزي نے وہ رنگ اب تقریباً ترک کر دیا هے - ان کا موجودہ انداز تحریر اور موضوع ایک حد تک عام‌پسند اور عوام‌پسند دونوں هے - شوکت تھانوي کے مضامین کا اُٹھان اور لب و لہجہ بھی ملا رموزی کي طرح قطعاً بازاري تو نہیں لیکن '' روزمرہ '' ضرور هے - جزئیات کے دونوں امام هیں -

خوب سوجھتی ھے لیکن کہنے کا انداز بسا اوقات ضرورت سے زیادہ عُریاں اور بے جھجک ھوتا ھے - ملا رموزی کی اُردو میں شگفتگی اور برجستگی بھی ھے ' شوکت تھانوی کی تحریر سے اندازہ ھوتا ھے کہ وہ صحیح اُردو لکھہ ضرور لیتے ھیں لیکن ایسا کرنے میں ان کو کوشش بھی کرنی پڑتی ھے - یوں سمجھہ لیجئے رموزی لکھتے ھیں اور چھپوا دیتے ھیں ' تھانوی سوچتے ھیں ' لکھتے ھیں ' مسودہ صاف کرتے ھیں اس کے بعد چھپواتے ھیں -

شوکت میں '' شگفتگی '' ضرور ھے لیکن ابھی '' شگفتہ نگاری '' پر پوری قدرت حاصل نہیں ھوئی ھے - اس کا سبب ممکن ھے یہ ھو کہ انھوں نے مطالعہ پر کافی وقت نہیں صرف کیا ھے ' لکھنا بغیر پڑھنے کے نہیں آتا ' اور پڑھنا بغیر لکھنے کے بیکار ھے - ملا رموزی کی تحریر میں اتنی پختگی ھے کہ آئندہ اس میں اصلاح یا ترقی کی گنجائش نہیں معلوم ھوتی ' شوکت میں ابھی ترقی کے آثار پائے جاتے ھیں - یہی نہیں ' اگر وہ ترقی کی کوشش نہیں کرینگے تو بہت ممکن ھے ان کی شخصیت اور انشاپردازی دونوں خطرہ میں پڑ جائیں - ان کو ابھی سے خرمن جمع کرنے کی فکر دامنگیر معلوم ھوتی ھے حالانکہ ابھی اُن کی کھیتی لہلہانے بھی شروع نہیں ھوئی ھے -

شوکت تھانوی کے بعض مضامین کا مختصر نمونہ پیش کیا جاتا ھے -

''..........اس وقت تمام مہذب اقوام کا یہ حال ھے کہ وہ اپنے کو مہذب ثابت کرنے کے لئے کتا ضرور ھمراہ رکھتی ھیں - کوئی جنٹلمین بغیر کتے کے کبھی مکمل جنٹلمین نہیں ھو سکتا - کوئی لیڈی بغیر کتا بغل میں دبائے کبھی لیڈی

نہیں ہوسکتی ، کوئی موٹر بغیر کتے کے موٹر نہیں ہوتا اور
کوئی مکان بغیر کتے کے دولت‌خانہ نہیں ہوتا ۔

ہندوستانیوں کی جہالت پر تو خیر رونا آتا ہے لیکن یورپ
اور امریکہ کی تہذیب ملاحظہ فرمائیے کہ وہاں ہر معزز آدمی
کی شناخت صرف یہ ہے کہ اُس کے سر پر ، گود میں ، آگے پیچھے ،
اِدھر یا اُدھر ایک ہانپتا ہوا زبان نکالے دُم ہلاتا ہوا کتا ضرور
ہو اور اگر کسی مغربی آدمی کے ساتھ کتا نہ ہو تو اس کے
متعلق یہ بھی شبہہ کیا جا سکتا ہے کہ آیا وہ آدمی بھی ہے
یا نہیں اور اگر آدمی ہے تو یوں ہی سا ہے ۔ مغربی خواتین
کا یہ حال ہے کہ بغیر کتے کے ان کو لطف زندگی ہی نہیں
حاصل ہوتا ۔ جب تک ان کے نرم اور معطر آغوش میں ایک پلّا
نہ دبا ہو وہ اپنے عدم اور وجود کو یکساں سمجھتی ہیں اور
اگر پلّا دبا ہوا ہے تو اُس سے ایسی محبت کرتی ہیں کہ انسان
اس پر رشک کرے ۔ اُسے اس طرح چومتی چاٹتی اور دبوچتی
ہیں کہ ان کے عشاق کتا بن کر نہ پیدا ہونے پر فطرت سے
شاکی ہو جاتے ہیں یا کتا بن جانے کے لئے دست بدعا ہو
جاتے ہیں ورنہ یہ بات تو اکثر دیکھنے میں آتی ہے کہ
محبوبہ کے کتے کو موقع پاکر محبت سے اٹھا لینا ایک قسم کی
" تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہئے " ہوا کرتی ہے ........
قدر سگ انگریز داند یا بداند اس کی میم "

---

"......اس ڈبے میں بیٹھنے کو تو بیٹھ گئے لیکن دل
بار بار یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح سر کی ترکی ٹوپی ہیٹ
بن جائے اور سلوالیں ایک ایسا کوٹ جو پاجامہ کو بھی پتلون

بتادیا کرتا ہے اس لئے کہ اس جسارت کے بعد یہ خوف تو بہرحال دل میں موجود تھا کہ کہیں اس تھرڈ کلاس کی جنت سے ہم کو ابن آدم سمجھکر نکال ندیا جائے یہ تو بہت آسان تھا کہ ہم وقتی طور پر بجائے مسلمان ہونے کے عیسائی بن جاتے لیکن اس لباس کا کوئی علاج ہمارے ذہن میں نہ تھا جو کبھی مذہب نہیں تبدیل کرتا - ہمارا خوف بیجا نہ تھا اور بیجا کس طرح ہوتا جب کہ ہم خود حق بجانب نہ تھے - نہ تو ہم انگلو انڈین تھے نہ صرف ' انگلو ' بلکہ محض " انڈین " تھے لہذا حق بجانب بھی نہیں ہو سکتے تھے - تھوڑی دیر کے بعد گارڈ نے ہم کو نکل جانے کا حکم دیا جس کو ہم نے اس طرح سنا گویا سمجھے نہیں اور وہ سمجھا کہ ہم سمجھہ گئے - مگر گاڑی کی روانگی سے دو منٹ قبل ہم کو پھر اردو زبان میں نکل جانے کے متعلق سمجھایا گیا جس کو ہم نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی - گارڈ صاحب نے بہت سے " کریو میں " ہم پر تعینات کئے کہ وہ ہم کو نکال دیں لیکن ہم نے اسمبلی کے تمام واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے ایسی مدلل بحث کی کہ گاڑی نے سیٹی دیدی - اس آخری وقت میں گارڈ صاحب کے دل میں تو نہیں معلوم کہ کونسا انتقامی جذبہ پیدا ہوا ہوگا لیکن انہوں نے کیا صرف وہ جو ہم لوگ خود اپنے بچپن میں کیا کرتے تھے یعنی ڈبہ میں داخل ہو کر روشنی گل کردی.... میرے منھہ سے نکل گیا -

تو مشق ناز کر سارا اندھیرا میرے ڈبے میں -

---

اپنے بچے اور غالباً دوسروں کے والدین کو شاہکار کا مفہوم تلقین فرماتے ہیں -

" آج کا موضوع شاهکار هے - یه ایک لفظ هے جس کو تم انساني نام سمجھے - یه کسي انسان جانور جگه یا چیز کا نام نهیں هے - بلکه ایک لفظ هے جسکو انگریزي میں " ماسٹر پیس " Master piece کہتے هیں اور جس کا تھوڑا بہت مفہوم لفظ ' کارنامه ' سے ادا هوتا هے اس لفظ کے معني هیں کاموں کا بادشاه اس لئے که " کار " کہتے هیں کام کو اور اگر " کار " کے معنی موٹرکار لئے جائیں تو شاهکار کے معنی هونگے " مسٹر فورڈ " لیکن چونکه یہاں اُردو زبان کے لفظ کار سے بحث هے لهذا اس کار کے معني هیں کام اور جب اس میں شاه لگا دیا گیا تو یه هو گیا شاه کام یعني کاموں کا شاه - اس کو اس طرح سمجھو که مثلاً تملے اپني مختصر زندگي میں سب سے بڑا کام یه کیا هے که اپنی هوائي بندوق سے فاخته مار ڈالی - اس فاخته کے شکار کو تم اپنا شاهکار کہه سکتے هو - اسی طرح میرے شاهکار تم خود هو ' مہاتما گاندهي کا شاهکار چرخه هے - مولانا محمد علي کے شاهکار مولانا شوکت علي هیں ' انگریزوں کا شاهکار کلنگ پرائس هے ' هندوستان کا شاهکار تاج محل هے ' تاج محل کا شاهکار مولانا سیماب هیں مولانا سیماب کے شاهکار ساغر نظامي یاراز چاند پوري هیں ........ "

---

مرزا عظیم بیگ چغتائي بحیثیت ایک ظرافت نگار کے اردو ادب میں " نوخیز " هیں - یہاں اُن کے مدرس هونے کي حیثیت معرض بحث میں نہیں هے - اس کا اعتراف نہایت بلند آهنگي کے ساتھ انهوں نے خود کیا هے جس کي داد نه دینا کم ظرفي بھي هے اور بدمذاقي بھي ' مثلاً فرماتے هیں '

"میں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں ۔ مصنف ہونا میرے لئے کوئی نئی بات نہیں جب نویں جماعت میں تھا تو "قصر صحرا" لکھی جب انٹرنس پاس کیا تو قصر صحرا کا حصہ دویم لکھا اور جب بی اے میں آیا تو موجودہ پردہ کی بدعت کے خلاف پبلک کے سامنے "قران اور پردہ" کو پیش کیا......مجھے کچھ اپنے طرز تحریر اور زبان کے بارہ میں بھی کہنا ہے -- میرے تمام افسانے اوریجنل ہیں ' واقعات سے پُر ' بحمد اللہ میرے تمام افسانوں کے ہیرو بقیدحیات ہیں ' تمامتر افسانوں کے پلاٹ میں نے واقعات اور اپنی معاشرت سے لئے ہیں اور کسی افسانہ میں افسوس کہ میں مشہور یوروپین یا امریکن افسانہ سے کچھہ بھی نہیں لے سکا........"

---

مرزا چغتائی نے مذاقیہ مضامین لکھنا نسبتاً حال ہی میں شروع کیا ہے اور یہ کہنے میں بمشکل کسی کو تامل ہوگا کہ اپنے انداز میں وہ قطعاً منفرد اور قطعاً کامیاب ہیں ' ان کا یہ ادعا کہ "تمامتر افسانوں کے پلاٹ میں نے واقعات اور اپنی معاشرت سے لئے ہیں" جتنا صحیح ہے اتناهی مبارک اور مستحسن ہے ' اور یہی سبب ہے کہ ان کی تحریر میں ان کی شخصیت اور انفرادیت بدرجہ اتم نمایاں ہے - "واقعات" اور "معاشرت" کا سہل ' سادہ اور دلچسپ رنگ ان کی تحریر اور طرز تحریر دونوں پر چھایا ہوا ہے. ان کی تحریر سادہ ہے لیکن "سپاٹ" یا بے رنگ نہیں ' یہ ان کے خلوص اور "همدردی" کا ثبوت ہے اور ثبوت ہی نہیں بلکہ فیضان بھی - ان کی تحریر میں کہیں زهرناکی یا کینگی نہیں پائی

جاتي ، همیشه نہیں تو کبھي کبھي یہي زہرناکي اور ابتذالي ، کمینگي یا کم ظرفي میں تبدیل ہوجاتي ہے ، طنز یا ظرافت بڑی خطر ناک سر زمین ہے ذرا لغزش ہوئي اور لکھنے والا کہیں کا نہ رہا -

مرزا چغتائی کي رگ و پے میں مشرق اور مشرقیت سرایت کئے ہوئے ہے ، ان کو اردو لکھنے پر کافي قدرت ہے - اپنی ان دونوں حیثیتوں پر وہ کبھي ظلم نہیں کرتے اور یہي سبب ہے کہ ان کے الفاظ اور مفہوم دونوں میں بے ساختگي اور شگفتگي ہوتي ہے - اس بے ساختگي اور شگفتگی میں ایک خفیف سي جھلک "قلندرانہ پن" کي بھي ہے جس کو حسن یا قبح دونوں سے تعبیر کر سکتے ہیں لیکن امید ہے کہ سن و سال کا بار حشو و زوائد کو زائل کردے گا اور یہ دیوار قہقہہ کبھي نہ کبھي تاج محل بنکر رہیگی - بشر طیکہ آئندہ وہ خود اپني تصانیف کا مقدمہ نہ لکھا کریں جس کا حوالہ ابتدا میں دیا گیا ہے !! امید ہے کہ رسالوں کے مختلف اور بے شمار اڈیٹر صاحبان بھی ان پر رحم فرمائیں گے کیونکہ مرزا صاحب کي مروت ان کو "بسیار نویسي" پر مجبور کرتي ہے اور بسیار نویسی کا دوسرا نام کم سے کم صحیفہ ظرافت میں لغویت بھي ہے !!

بعض نمونے حسب ذیل ہیں -

الشذري :—

"..........حج سے پہلے وہ چودھري صاحب تھے اور حج کے بعد الحاج الشذري الهذي........ان کي تمام کوششیں اپنے کو عرب بنانے میں بالکل اسی طرح ضائع جاتي نہیں جس طرح بعض دیسي عیسائي کوٹ پتلون پہنکر غلط اُردو دیدہ

دانستہ بولتے ہیں اور غلط انگریزی مجبوراً اور تہ پر تہ سفید پاؤڈر کی لگاتے ہیں مگر حقیقت نہیں چھپتی اور بعینہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس کمرہ میں قلعی ہوتی ہے اسمیں کسی زمانہ میں ضرور باورچی خانہ تھا نہ یوروپین انٹر میں بیٹھنے سے کام چلتا ہے اور نہ یوروپین نرخ پر چائے خریدنے سے - غرض یہی حالت چودھری صاحب کی تھی کہ عرب بننے کی تمام کوششیں رائگاں جاتی تھیں.........بھائی شذری نے کہا "ارے میاں عربی بولنا اور سمجھنا اسقدر آسان ہے کہ ہر وہ شخص جو ہماری تمہاری طرح اُردو جانتا ہے اور فارسی میں قدرے دخل رکھتا ہے بڑی آسانی سے عربی بول اور سمجھ سکتا ہے ...........کچھ نہیں صرف معمولی اُردو میں مِنَل - وَلَ - آل - کُم - وغیرہ لگاؤ بس عربی ہوگئی..........."

عراق میں ایک ناؤ ایسی بھی ہوتی ہے جیسے گول پیالہ - خوش قسمتی سے ایسی ہی ناؤ ملی - میں تو چپ کھڑا رہا اور چودھری صاحب نے ہندوستانی عربی یا بالفاظ دیگر عراقی اُردو میں ملاح سے بات چیت شروع کردی - خدا معلوم اُنہوں نے کیا کہا اور ملاح نے کیا سمجھا - مگر نتیجہ اس گفت و شنید کا یہ ہوا کہ ہم دونوں ناؤ میں بیٹھ گئے اور دریا کی سیر ہونے لگی - اس ناؤ کی تعریف کے چودھری صاحب نے پل باندھ دئیے ' کہنے لگے کہ اس ناؤ میں ایک خاص بات یہ ہے کہ گرداب میں پڑکر بھی نہیں ڈوبتی - میں نے تعجب ظاہر کیا تو اُنہوں نے کہا دیکھو ابھی اسے گرداب میں لے چلیں گے تاکہ تم خود دیکھ لو میں نے کہا خدا کے واسطے رحم کیجئے - مجھکو ذرہ بھر شک نہیں آپ

سچ کہتے ہیں اور مجھکو تسلیم ہے کہ یہ کمبخت ناؤ حضرت نوح کي کشتي کا مقابلہ کرلے گي مگر وہ نہ مانے پر نہ مانے بیچ دریا کے بہاؤ سے ذرا ہٹ کر بڑے زور شور سے بھنور پڑ رہا تھا جسکو دیکھنے سے ڈر لگتا تھا - چودھری صاحب ملاح سے غلط سلط عراقي اُردو بول رہے تھے - چونکہ لفظ عمیق جانتے تھے - لہذا تمام تر دریا کي گہرائي پر گفتگو ہو رهي تهي - اب ملاح سے اُنہوں نے اس خوفناک بھنور کي طرف انگلي اُٹھا کر کہا "غریق کشتی من الگرداب" لفظ گرداب پر انگلي سے بھنور کی شکل بنائي اور بھنور میں ناؤ لے چلنے کا اِشارہ کیا - میں نے کہا خدا کے واسطے میرے اوپر رحم کرو مگر وہ میري سنتے هي نہ تھے "ٹھہرو جي" کہکر انہوں نے میرا ہاتھ جھٹک دیا - ملاح نے نہ معلوم انسے کیا کہا جسکو یہ قطعی نہ سمجھے ہونگے - مگر بات چیت بھلا کیسے رک سکتي ' عربي میں فارسي اور انگریزی تمام الفاظ بولتے چلے جاتے خواہ کوئي سمجھے یا نہ سمجھے انکی بلا سے - نتیجہ یہ نکلا کہ میں چیختا پیٹتا رہ گیا اور ملاح نے تیزي سے کشتي لے جا کر گرداب میں ڈالدي

........ اب چودھري صاحب کو بھي چکّر آئے ........

میں تو سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور زور سے چلایا کہ خدا کے واسطے ناؤ روکو چودھري صاحب اس خیال میں تھے کہ جب جي چاہے گا رکوا لیں گے - چنانچہ اب اُنہوں نے خود ڈگمگاتے ہوئے ' ملاح سے کہا "ایہاالشیخ شدۃالدن الرقص - اخرج علي الدُرداپ" بانگڑو ملاح واللہ اعلم سمجھتا بھی ہوگا یا نہیں کہ فارسی میں بھنور کو گرداب کہتے ہیں اور پھر الشذری اور خود اسکے

عربی کپڑوں کي پھڑ پھڑاهٹ اور دریا کا شور اور پھر لٹو کي طرف ناؤ کي گردش سمجھنا تو درکنار نه معلوم ملاح نے سنا بھي که نهیں - اس نے نه سنا اور نه سمجھا اور نه سننے یا سمجھنے کی کوشش کي اور اللہ کا نام لے کر دانتوں سے اپنے هونٹ دبا کر "ایاغ" کهه کر زور سے پتوار پاني میں ڈالکر ناؤ کو اور بھي گھن چکر کر دیا ......... میں سجدہ میں پڑا بجائے سبحان‌ربي‌الاعلي کے چلّا رها تها خدا کے واسطے نکا لو ادهر اب الشذري بو کهلا کر چلائے "شدۃالمن الرقاصه اے ایهاالشیخ" - "خدا کے واسطے اخرج من‌الگرداب - ارے مرا" ؟ میں پھر چلایا "هاے مرا" اُدهر اس ناهنجار ملاح نے ایک مرتبه اور پانی میں پتوار ڈالکر زور سے چکر کي تیزی میں اضافه کر دیا ......... چودهری صاحب نے اب وهاں دهائی تهائي دینا شروع کردی اور میں پڑے پڑے ان کوششوں کي داد دے رها تها وہ چلا رهے تھے "اےنالائق شیخ برحمتک ......... کم بخت اشدۃالمن‌الرقص ........... ارے اخرج ......... من‌الگرداب ارے موذي ناؤ نکال" چکراکر وہ پھر میرے اوپر گرے میں نے آنکھه کھولکر دیکھا - ساري دنیا گھوم رهي تهي - چودهری صاحب نے پھر دهاڑ کر کہا "ایهاالشیخ ......... اے الو......... ابن‌الالو والخنزیر ........... قسم خدا کي........... والله ........ ارے بھئي شیخ ارے اشدۃالمن الرقص.........ارے مرے....... اے روک ......... روک ......... ارے نکال ........... یا الله ........ اے ایهاالشیخ من‌الموذي اخرج من‌الناؤگرداب ........ نالائق ........ بدمعاش ......... والله بھئي شیخ ........ مگر توبه کیجئے بھلا ان باتوں سے کهیں ناؤ رکنے والي تهي !

سر پٹک پٹک ہم دونوں بیہوش ہوگئے ۔

نہ معلوم کتنی دیر بعد آنکھ کھلی تو اپنے آپ کو دریا کے کنارے بےبس پایا ۔ سارے درد کے سر پھٹا جا رہا تھا ' نہ طاقت رفتار تھی نہ طاقت گفتار............بھائی شذری نہ معلوم کس طرح اُٹھ کر کھڑے ہوئے کہ چاروں شانے چت گرے اور اِدھر وہ نابکار ملاح ہنس رہا تھا اور اپنی مزدوری کا طالب تھا ........ جب ایک فارسی داں حضرت کا اُدھر سے گذر ہوا تو معاملہ صاف ہوا ۔ ادھر الشذری نے ملاح کی شکایت کی کہ ہم دونوں کو اسنے ناؤ میں چرخ دے کر ادھمرا کر دیا اور پھر مزدوری مانگتا ہے ' اُدھر ملاح نے کہا کہ " ایسے لوگ بھی کم دیکھنے میں آئے ہونگے کہ مارے چکر کے مرے جا رہے تھے مگر بار بار یہی کہتے تھے کہ ناؤ کو شدت کے ساتھ رقص کراؤ ' میرا خود سر چکرا گیا اور دگنی مزدوری واجب ہے "

" ارے کمبخت چودھری " میں نے مری ہوئی آواز میں کہا یہ " تمہاری عربی میری جان لے گی یاد رکھو اگر میں مر گیا تو یہ خون تمہاری گردن پر ہوگا "

---

" شاطر کی بیوی "

" ... ........ آپ بھی عجیب آدمی ہیں " خاں صاحب نے چیں بہ جبیں ہوکر کہا ' آپ شطرنج نہیں کھیل سکتے ........ لکھ لیجئے کہ آپ کی " گھر میں " آپ کا شطرنج کھیلنا موقوف کرادیں گی ........ آپ نہیں کھیل سکتے "

"یہ آخر کیوں ؟"

"خاں صاحب بولے" لکھہ لیجئے ........... بندہ خاں کی بات یاد رکھئے گا لکھہ لیجئے"

"آخر کیوں لکھہ لوں ؟ کوئی وجہ ؟"

"وجہ یہ" خاں صاحب نے اپنے داھنے ھاتھہ کی مٹھی زور سے بائیں ھاتھہ کی ھتھیلی پر مار کر کہا" وجہ یہ کہ معاف کیجئے گا ۔ آپ زن مرید ھیں ......... زن مرید ادھر وہ جائیں گی اور ادھر آپ ........ " (انگلی گھما کر نقل بتاتے ھوئے خاں صاحب نے کہا) ھائے جورو ! ھائے جورو ! ...... ایسے کہیں شطرنج کھیلی جاتی ھے ! لاحول ولاقوۃ "

میں نے طے کر لیا کہ خانم سے اس باب میں قطعی سخت لڑائی ھوگی ' میں نہیں دبوں گا - یہ میرا شوق ھے شوق ' انھیں ماننا پڑے گا -

---

" تین چار روز تک خانم سے سخت ترین جنگ رھی یعنی خاموش جنگ اُدھر وہ چُپ ادھر میں چُپ ۔ خانم کی مددگار استانی جی اور میرے مددگار خاں صاحب ' پانچویں دن یہ شطرنج دوبھر معلوم ھونے لگی - میری سپاہ کمزوری دکھا رھی تھی - جی تھا کہ اُلٹا آتا تھا خاموش جنگ سے خدا محفوظ رکھے ' ایسا معلوم ھوتا تھا کہ جیسے گیس کی لڑائی ھو رھی ھے ' غنیم کا گیس دم گھوٹے دیتا تھا ۔ خاں صاحب طرح طرح کے حملے تجویز کرتے تھے مگر جناب اس گیس کی لڑائی میں کوئی تدبیر نہ چلتی تھی خاں صاحب ماھر فنون جنگ تھے مگر جرمن گیس کا جواب توپ اور بندوق نہیں دیسکتی - یہ انھیں معلوم نہ تھا وجہ یہ ھے کہ

وہ پرانے زمانہ کی لڑائیاں لڑے ہوئے بیچارے کیا جانیں کہ خاموشی کا گیس کیا بلا ہوتی ہے - میری کمزوری پر دانت پیستے تھے کہتے تھے ' "نہ ہوا میں ........ دکھا دیتا !"

---

"خاں صاحب اول تو خود جنگی آدمی اور پھر جنرل بھی اچھے - مگر جناب جب سپاہی ہمت ہار جائے تو جنرل کیا کرے - چھ دن گذر گئے اور اب میں جنگ مغلوبہ لڑ رہا تھا -

بہت کوشش کی بہت ہمت کی مگر ہار ہی گیا - شرائط صلح بھی بہت خراب تھیں - شاید معاہدۂ ورسلیز جس طرح ترکوں کے لئے ناقابل پذیرائی تھا اسی طرح میرے لئے بھی مگر بقول کسے بزور شمشیر و بنوک سنگین مجھکو مجبوراً صلحنامہ پر دستخط کرنا پڑے اور صلحنامہ کی سخت شرائط ذرا ملاحظہ ہوں -

(۱) خاں صاحب سے تمام تعلقات دوستی منقطع کر دونگا وہ گھر پر آئینگے تو کہلوا دونگا کہ نہیں ہوں - ویسے حصہ وغیرہ ان کے ہاں جائیگا اور آئے گا '

(۲) شطرنج کھیلنا بالکل بند - اب کبھی شطرنج نہیں کھیلونگا - خصوصاً رات کو تو کھیلونگا ہی نہیں -

(۳) شطرنج کے علاوہ تاش بھی نہیں کھیلونگا سوائے اتوار کے - رات کو وہ بھی نہیں -

(۴) رات کو دیر کر کے آنا شطرنج کھیلتے رہ جانے کے برابر متصور ہوگا کوئی ثبوت لئے بغیر تصور کر لیا جائیگا کہ شطرنج کھیلی گئی کوئی عذر تسلیم نہ کیا جائے گا -

پانچویں اور چھٹي شرط میں خود بیان کرنا پسند نہیں کرتا ۔ ساتویں شرط یہ تھي کہ اگر اس معاهدہ کي پابندی نہ کي گئي تو " تم اپنے گھر خوش هم اپنے گھر خوش "

خاں صاحب سے میں نے اپنی شکست اور شرائط صلح کا ذکر صاف صاف تو نہیں کیا مگر اتنا ضرور تسلیم کیا کہ مہرے برابر استاني جي کے لڑکے سے چروائے جاتے رھے ۔ پھر صلح کا ذکر کیا ۔ خاں صاحب تجربہ‌کار آدمي تھے ۔ دانت نکالکر انھوں نے ران پر هاتھہ مار کر پہلے دنیا بھر کي لڑاکا بیویوں کو گالیاں دیں اور پھر کہا " میاں لمڈے هو ' مجھہ سے باتیں بنانے آئے هو ' بیوی کي جوتیاں کھا رھے هو - ......... شطرنج کھیلیں گے ... ..... یہ شطرنج ھے ! هونہہ ......... سر پکڑ کر روؤگے ........ گھر والي کو اتنا سر پر نہیں چڑھاتے ....... تو جانو تمہارا کام ...... جب کبھي ملاقات هوئي علیک سلیک کر لي بس لکھہ لو ....... "

خاں صاحب کي گفتگو سے کچھہ پھریری سي آئي - گھر میں آیا تو خانم کو پھول کي طرح کھلا هوا پایا ' لاحول ولاقوۃ !

---

• پطرس ' ( اے اس بخاري ) -

پطرس اور " پطرس کے مضامین " دونوں کا تعارف کتاب کے دیباچہ سے هو جاتا ھے -

" اگر یہ کتاب آپ کو کسی نے مفت بھیجي ھے تو مجھہ پر احسان کیا ھے ' اگر آپ نے کہیں سے چرایا ھے تو میں آپ کے ذوق کي داد دیتا هوں ' اپنے پیسوں سے خریدي ھے تو مجھے آپ سے همدردي ھے اب بہتر یہي ھے کہ آپ اس کتاب کو اچھا سمجھکر اپني حماقت کو حق بجانب ثابت کریں -

ان مضامین کے افراد سب خیالی ہیں حتیٰ کہ جن کے لئے وقتاً فوقتاً واحد متکلم کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے - وہ بھی ہر چند کہیں کہ ہیں نہیں ہے آپ تو اس نکتے کو اچھی طرح سمجھتے ہیں لیکن کئی پڑھنے والے ایسے بھی ہیں جنھوں نے اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھی - ان کی غلط فہمی اگر دور ہو جائے تو کیا ہرج ہے -

جو صاحب اس کتاب کو کسی غیر ملکی زبان میں ترجمہ کرنا چاہیں وہ پہلے اُس ملک کے لوگوں سے اجازت حاصل کریں "

یہ دیباچہ نہیں غزل ہے اور جو شخص ایسی غزل لکھ سکتا ہے اس کے سارے قصور معاف کئے جا سکتے ہیں خواہ وہ غلط اُردو ہی لکھتا کیوں نہ ہو !

پطرس بالعموم غلط اُردو نہیں لکھتے خاص خاص مقامات پر اُن کو متشابہ ضرور لگتا ہے جہاں کے اُردو کو مقامی رنگ دے جاتے ہیں - اُن کی اُردو اکتسابی ضرور ہے لیکن ظرافت قطعاً وہبی ہے - پنجاب میں اچھی اور صحیح اُردو لکھنے والے سر عبدالقادر سر اقبال اور ظفر علی خاں ہیں پطرس اچھی اُردو اب بھی لکھ لیتے ہیں اور یقین ہے کہ سر بننے یا جیلخانہ جانے سے پہلے وہ صحیح اُردو بھی لکھنے لگیں گے !

پطرس کی ظرافت کا آرٹ الفاظ میں نہیں واقعات میں ہوتا ہے - اُن کی تحریر فضا پیدا کرتی ہے نہ کہ نغمہ ' پھر یہ بھی ہے -

نغمہ اُدر تست اندر نغمۂ داؤد نے

پطرس کی ظرافت " اکتسابات " میں پھلی پھولی معلوم ہوتی ہے لیکن اُردو کی فضا میں پہونچکر رنگیلی اور رعنائی کے اعتبار سے دو آتشہ ہو گئی ہے !

پطرس اگر برابر لکھتے رہے اور مرزا عظیم بیگ چغتائی اور فرحت اللہ بیگ نے لکھنا کم کر دیا تو یقین ہے کہ اردو ادب میں ظرافت کا عنصر بغایت وقیع ، بغایت دلکش اور بغایت مہتمم بالشان ہو جائے گا اور شاید ایسا کہ ایشیا کی کسی زبان میں اس کی مثال نہ ملسکے !

بایںہمہ جہاں تک طنز یا ظرافت کا تعلق ہے " مضامین پطرس " ارض پنجاب میں دیوان غالب کی نہیں تو " مرقع چغتائی " کی حیثیت ضرور رکھتے ہیں !

بعض نمونے حسب ذیل ہیں ،

کتے :—

" ....... کل ہی کی بات ہے کہ رات کے کوئی گیارہ بجے ایک کتے کی طبیعت جو ذرا گد گدائی تو انہوں نے باہر سڑک پر طرح کا ایک مصرعہ دے دیا ایک آدھ منٹ کے بعد سامنے کے بنگلے میں سے ایک کتے نے مطلع عرض کر دیا - پھر تو جناب ایک کہنہ مشق استاد کو جو غصہ آیا ، ایک حلوائی کے چولھے میں سے باہر لپکے اور بھنّا کے پوری غزل مقطع تک کہہ گئے - اس پر شمال مشرق کی طرف سے ایک قدر شناس کتے نے زوروں کی داد دی ہے - اب تو حضرت وہ مشاعرہ گرم ہوا کہ کچھ نہ پوچھئے ، کمبخت بعض تو دو غزلے سہ غزلے لکھ لائے تھے - کئی ایک نے فی البدیہہ قصیدے کے قصیدے پڑھ ڈالے وہ ہنگامہ گرم ہو کہ ٹھنڈا ہونے میں نہ آتا تھا - ہم نے کھڑکی میں سے ہزاروں دفعہ " آرڈر آرڈر " پکارا لیکن ایسے موقعہ پر وہاں کسی کی کوئی نہیں سنتا ....... "

....... چونکہ ہم طبعاً ذرا محتاط ہیں اس لئے آج تک کتے کے
کاٹنے کا کبھي اتفاق نہیں ہوا - یعني کسي کتے نے آج تک ہم
کو کبھي نہیں کاٹا ـ اگر ایسا سانحہ کبھي پیش آیا ہوتا تو
اس سرگذشت کي بجائے آج ہمارا مرثیہ چھپ رہا ہوتا تاریخي
مصرعہ دعائیہ ہوتا کہ اس کتے کي مٹي سے بھي کتا گھاس
پیدا ہو " لیکن '

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے سگِ رہ بري بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

جب تک اس دنیا میں کتے موجود ہیں اور بھونکنے
پر مصر ہیں سمجھ لیجئے ہم قبر میں پیر لٹکائے بیٹھے ہیں
اور پھر ان کتوں کے بھونکنے کے اصول بھي تو کچھ نرالے ہیں
یعني ایک تو متعدی مرض ہے اور پھر بچوں بوڑھوں سبھي
کو لاحق ہے ـ اگر کوئي بھاری بھرکم اسفند یار کتا کبھي
کبھی اپنے رعب اور دبدبے کو قائم رکھنے کے لئے بھونک لے تو
ہم بھي ' چار وناچار کہدیں کہ بھئی بھونک ( اگرچہ ایسے
وقت میں اسکو زنجیر سے بندھا ہونا چاہئے ) لیکن یہ کمبخت
دو روزہ سہ روزہ دو دو تین تین تولے کے پلّے بھي تو بھونکنے
سے باز نہیں آتے ـ باریک آواز اتنا سا پھیپھڑا اس پر بھي
اتنا زور لگا کر بھونکتے ہیں نہ آواز کي لرزش دم تک پہنچتي
ہے .......... کتوں کے بھونکنے پر مجھے سب سے بڑا اعتراض یہ
ہے کہ کے ان کي آواز سوچنے کے تمام قوی کو معطل کر دیتی
ہے ' خصوصاً جب کسی دکان کے تختے کے نیچے سے ان کا ایک
پورا خفیہ جلسہ باہر سڑک پر آ کر تبلیغ کا کام شروع کر دے
تو آپ ہي کہئے ہوش ٹھکانے رہ سکتے ہیں ؟ ـ ہر ایک کي

طرف باری باری متوجه ہونا پڑتا ہے کچھ ان کا شرر کچھ ہماری صدائے احتجاج ( زیر لب ) بےڈھنگے حرکات و سکنات ( حرکات ان کی سکنات ہمارے ) اس ہنگامے میں دماغ بھلا خاک کام کر سکتا ہے ؟ .............. بہر صورت کتوں کی یہ پرلے درجے کی نا انصافی میرے نزدیک ہمیشہ قابل نفریں رہی ہے - اگر ان کا ایک نمائندہ شرافت کے ساتھ ہم سے کہدے کہ عالی جناب سڑک بند ہے تو خدا کی قسم ہم بغیر چوں و چرا کئے ہوئے واپس لوٹ جائیں اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہم نے کتوں کی درخواست پر کئی راتیں سڑک ناپنے میں گذاردی ہیں - لیکن پوری مجلس کا یوں متفقہ و متحدہ طور پر سینہ زوری کرنا ایک کمینہ حرکت ہے ( قارئین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر ان کا کوئی عزیز و محترم کتا کمرے میں موجود ہو تو یہ مضمون بلند آواز سے نہ پڑھا جائے - مجھے کسی کی دلشکنی مطلوب نہیں ) ؟؟

” خدا نے ہر قوم میں نیک افراد بھی پیدا کئے ہیں - کتے اس کلیے سے مستثنےٰ نہیں - آپ نے خدا ترس کتا بھی ضرور دیکھا ہو گا عموماً اس کے جسم پر تپسیا کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں - جب چلتا ہے تو اس مسکینی اور عجز سے گویا بارگناہ کا احساس آنکھ اُٹھانے نہیں دیتا - دُم پیٹ کے ساتھ لگی ہوتی ہے - سڑک کے بیچوں بیچ غور و فکر کے لئے لیٹ جاتا ہے اور آنکھیں بند کر لیتا ہے ' شکل بالکل فلاسفروں کی سی اور شجرہ دیو جانس کلبی سے ملتا ہے - کسی گاڑی والے نے متواتر بگل بجایا - گاڑی کے مختلف حصوں کو کھٹکھٹایا - لوگوں سے کہلوایا - خود دس بارہ دفعہ آوازیں

دیں تو آپ نے سر کو وہیں زمین پر رکھے سرخ مخمور آنکھوں کو کھولا ، صورت حالات کو ایک نظر دیکھا اور پھر آنکھیں بند کرلیں - کسی نے ایک چابک لگا دیا تو آپ نہایت اطمینان کے ساتھ وہاں سے اُٹھ کر ایک گز پرے جالیٹے اور خیالات کے سلسلے کو جہاں سے وہ ٹوٹ گیا تھا وہیں سے پھر شروع کر دیا :-
کسی بائیسکل والے نے گھنٹی بجائی تو لیٹے ہی لیٹے سمجھ گئے کہ بائیسکل ہے ایسی چھچھوری چیزوں کے لئے وہ رستہ چھوڑدینا فقیری کی شان کے خلاف سمجھتے ہیں -

رات کے وقت یہی کتا اپنی خشک پتلی سی دم کو تابحد امکان سڑک پر پھیلا کر رکھتا ہے اس سے محض خدا کے برگزیدہ بندوں کی آزمائش مقصود ہوتی ہے - جہاں آپنے غلطی سے اس پر پاؤں رکھہ دیا - انہوں نے غیظ و غضب کے لہجہ میں آپ سے پرسش شروع کر دی "بچا فقیروں کو چھیڑتا ہے ، نظر نہیں آتا ، ہم سادھو لوگ یہاں بیٹھے ہیں " بس اس فقیر کی بدعا سے اسی وقت رعشہ شروع ہو جاتا ہے ، بعد میں کئی راتوں تک یہی خواب نظر آتے رہتے ہیں کہ بےشمار کتے ٹانگوں سے لپٹے ہوتے ہیں اور جانے نہیں دیتے آنکھہ کھلتی ہے تو پاؤں چارپائی کی ادوائن میں پھنسے ہوتے ہیں -

اگر خدا مجھے کچھہ عرصہ کے لئے اعلی قسم کے بھونکنے اور کاٹنے کی طاقت عطا فرمائے تو جنون انتقام میرے پاس کافی مقدار میں ہے - رفتہ رفتہ سب کتے علاج کے لئے کسولی پہنچ جائیں ........... انگریزی میں ایک مثل ہے کہ " بھونکتے ہوئے کتے کاٹا نہیں کرتے " یہ بجا ہے لیکن کون جانتا ہے کہ ایک بھونکتا ہوا کتا کب بھونکنا بند کر دے اور کاٹنا شروع کردے - "

---

" .......... قصہ میرے بھتیجے سے شروع ہوتا ہے - میرا بھتیجا یوں دیکھنے میں عام بھتیجوں سے مختلف نہیں - میری تمام خوبیاں اس میں موجود ہیں اور اس کے علاوہ نئی پود ہونے کی وجہ سے بعض فالتو اوصاف بھی کبھی کبھی نظر آتے ہیں - لیکن ایک صفت تو اس میں ایسی ہے کہ آج تک ہمارے خاندان میں اس شدت کے ساتھ کبھی رونما نہیں ہوئی تھی - وہ یہ کہ بڑوں کی عزت کرتا ہے - اور میں تو اس کے نزدیک بس علم و فن کا ایک دیوتا ہوں - یہ خبط اس کے دماغ میں کیوں سمایا ہے - اس کی وجہ میں یہی بتا سکتا ہوں کہ نہایت اعلیٰ سے اعلیٰ خانوانوں میں بھی کبھی کبھی ایسا دیکھنے میں آ جاتا ہے - میں نے شائستہ سے شائستہ دودمانوں کے فرزندوں کو بعض وقت بزرگوں کا اس قدر احترام کرتے دیکھا ہے کہ ان پر فیبچ ذات ہونے کا گمان ہونے لگتا ہے "

---

" ........ آخرکار بائسکل پر سوار ہوا - پہلا ہی پاؤں چلایا تو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کوئی مردہ اپنی ہڈیاں چٹخا چٹخا کر اپنی مرضی کے خلاف زندہ ہو رہا ہے - گھر سے نکلتے ہی کچھ تھوڑی سی اترائی تھی - اس پر بائسکل خود بخود چلنے لگی لیکن اس رفتار سے جیسے تارکول زمین پر بہتی ہے - اور ساتھ ہی مختلف حصوں سے طرح طرح کی آوازیں برآمد ہونی شروع ہوئیں - ان آوازوں کے مختلف گروہ تھے - چیں - چاں چوں کی قسم کی آوازیں زیادہ تر گدی کے نیچے اور پچھلے پہئے سے نکلتی تھیں - کھٹ ' کھڑ ' کھڑ کھڑ کی قبیل کی آواز مڈگارڈوں سے آتی تھیں - چر - چرخ ' چر - چرخ کی قسم کی سریں -

زنجیر اور پیڈل سے نکلتی تھیں – زنجیر ڈھیلی ڈھیلی تھی - میں جب کبھی پیڈل پر زور ڈالتا تھا زنجیر میں ایک انگڑائی سی پیدا ہوتی تھی - جس سے وہ تیز جاتی تھی اور چڑ چڑ بولنے لگتی تھی اور پھر ڈھیلی ہو جاتی تھی - پچھلا پہیہ گھومنے کے علاوہ جھومتا بھی تھا یعنی ایک تو آگے چلتا تھا اور اس کے علاوہ دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں کو بھی حرکت کرتا تھا چنانچہ سڑک پر جو نشان پڑتا جاتا تھا اس کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی مخمور سانپ لہرا کر نکل گیا ہے – مڈگارڈ تھے تو سہی لیکن پہیوں کے عین اوپر نہ تھے – ان کا فائدہ صرف یہ معلوم ہوتا تھا کہ انسان شمال کی سمت سیر کو نکلے اور آفتاب مغرب میں غروب ہو رہا ہو تو مڈگارڈوں کی بدولت ٹائر دھوپ سے بچے رہیں گے -

اگلے پہیے کے ٹائر میں ایک بڑا سا پیوند لگا تھا جس کی وجہ سے پہیہ ہر چکر میں ایک دفعہ لمحہ بھر کو زور سے اوپر اٹھ جاتا تھا اور میرا سر پیچھے کو یوں جھٹکے کھا رہا تھا جیسے کوئی متواتر ٹھوڑی کے نیچے مکے مارے جا رہا ہو - پچھلے اور اگلے پہیئے کو ملا کر چوں چوں پھٹ ' چوں چوں پھٹ ' چوں چوں پھٹ ' ......... کی صدا نکل رہی تھی - جب اترائی پر بائیسکل ذرا تیز ہوئی تو فضا میں ایک بھونچال سا آگیا اور بائیسکل کے کئی اور پرزے جو اب تک سوئے ہوئے تھے بیدار ہو کر گویا ہوئے -

اِدھر اُدھر کے لوگ چونکے - ماؤں نے اپنے بچوں کو سینے سے لگا لیا - کھڑر کھڑر کھڑر کے بیچ میں پہیوں کی آواز جدا سنائی دے رہی تھی – لیکن چونکہ بائیسکل اب پہلے سے تیز تھی

اس لئے چوں چوں پھٹ ' چوں چوں پھٹ کي آواز نے اب چچوں پھٹ ' چچوں پھٹ ' چچوں پھٹ کی صورت اختیار کر لي تھي - تمام بائیسکل کسي ادق افریقي زبان کي گردانیں دھرا رہی تھي ''

اس قدر تیز رفتاری بائیسکل کي طبع نازک پر گراں گذري - چنانچہ اس میں یک لخت دو تبدیلیاں واقع ہو گئیں ایک تو ہینڈل ایک طرف کو مڑ گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں جا تو سامنے کو رہا تھا لیکن میرا تمام جسم دائیں طرف کو مڑا ہوا تھا - اس کے علاوہ بائیسکل کی گدي دفعتاً چھ انچ کے قریب نیچے بیٹھ گئي - چنانچہ جب پیڈل کے چلانے کے لئے میں ٹانگیں اوپر نیچے کر رہا تھا تو میرے گھٹنے میري ٹھوڑھي تک پہنچ پہنچ جاتے تھے - کمر دوھري ہو کر باھر کو نکلي ہوئی تھي اور ساتھ ھی اگلے پہیے کي اٹکھیلیوں کي وجھ سے سر برابر جھٹکے کھا رھا تھا ........ جیب میں سے میں نے اوزار نکالا ' گدي کو اونچا کیا ' کچھ ہینڈل کو ٹھیک کیا اور دوبارہ سوار ہو گیا '' -

'' دس قدم بھي چلنے نہ پایا تھا کہ ایکي بار ہینڈل یک لخت نیچا ہو گیا اتنا کہ گدي اب ہینڈل سے کئي فٹ پھر اونچی تھی میرا تمام جسم آگے کو جھکا ہوا تھا - تمام بوجھ دونوں ہاتھوں پر تھا جو ہینڈل پر رکھے تھے اور جو برابر جھٹکے کھا رہے تھے ........ میں دور سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئي عورت آٹا گوندھ رہي ہو - مجھے اس مشابہت کا احساس بہت تیز تھا - جس کی وجھ سے میرے ماتھے پر پسینہ پھوٹ آیا ........ ہینڈل تو نیچا ہو ھی گیا تھا -

تھوڑی دیر کے بعد گدی بھی پھر نیچی ہو گئی اور میں ہمہ تن زمین کے قریب پہنچ گیا - ایک لڑکے نے کہا دیکھو یہ آدمی کیا کر رہا ہے ' گویا اس بد تمیز کے نزدیک میں کوئی کرتب دکھا رہا تھا - میں نے اتر کر پھر ہینڈل اور گدی کو اونچا کیا ........ " -

" .......... مشکل سے بیس قدم گیا ہونگا کہ مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے زمین یک لخت اُچھل کر مجھے آ لگی ہے - آسمان میرے سر سے ہٹ کر میری ٹانگوں کی بیچ میں سے گذر گیا ہے اور اِدھر اُدھر کی عمارتوں نے ایک دوسرے کے ساتھہ اپنی اپنی جگہہ بدل لی ہے - حواس بجا ہوئے تو معلوم ہوا کہ میں زمین پر اِس بے تکلفی سے بیٹھا ہوں گویا بڑی مدت سے مجھے اس بات کا شوق تھا جو آج پورا ہوا ........ میں نے اپنے گردوپیش پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ میری بائیسکل کا اگلا پہیہ بالکل الگ ہوکر لڑھکتا ہوا سڑک کے اُس پار جاپہنچا ہے اور بائیسکل کا باقی میرے پاس پڑا ہے ' میں نے فوراً اپنے آپ کو سنبھالا جو پہیہ الگ ہوگیا تھا اس کو ایک ساتھہ میں اُٹھایا دوسرے ہاتھہ میں باقی ماندہ بائیسکل کو تھاما اور چل کھڑا ہوا - یہ محض ایک اضطراری حرکت تھی ورنہ حاشا وکلا بائیسکل مجھے ہرگز اتنی عزیز نہ تھی کہ میں اس کو اس حالت میں ساتھہ ساتھہ لئے پھرتا "

" جب میں یہ سب کچھہ اٹھاکر چل دیا تو میں نے اپنے آپ سے پوچھا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو - کہاں جارہے ہو ' تمھارا ارادہ کیا ہے - یہ دو پہیئے کا ہے کو ساتھہ لے جا رہے ہو "

" سب سوالوں کا جواب یہی ملا کہ دیکھا جائے گا فی الحال

تم یہاں سے چل دو - سب لوگ تمہیں دیکھ رہے ہیں - سر اونچا رکھو اور چلتے جاؤ جو ہنس رہے ہیں اُنہیں ہنسنے دو ' اس قسم کے بیہودہ لوگ ہر قوم اور ہر ملک میں پائے جاتے ہیں - آخر ہوا کیا - محض ایک حادثہ - بس دائیں بائیں مت دیکھو چلتے جاؤ - لوگوں کے ناشائستہ کلمات بھی سنائی دے رہے تھے - ایک آواز آئی " بس حضرت غصہ تھوک ڈالئے - ایک دوسرے صاحب بولے " بیٹھیا بائیسکل - گھر پہنچ کے تجھے مزا چکھاؤں گا - ایک والد اپنے لختِ جگر کو اُنگلی پکڑے لئے جارہے تھے میری طرف اشارہ کر کے کہنے لگے " دیکھا بیٹا یہ سرکس کی بائیسکل ہے - اس کے دونوں پہیئے الگ الگ ہوتے ہیں ........ "

---

مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب بی اے ( علیگ ) یوں تو حال ہی میں اس حمام ( ظرافت ) میں برہنہ ہوئے ہیں لیکن تیور اور دم خم دیکھکر علی گڑہ والوں کی زبان اور مفہوم میں ان پر " بڑا پرانا " ہونے کا فقرہ پورے طور پر چسپاں ہوتا ہے اور پرانا بھی ایسا کہ ' نا ' کا تلفظ اس طور پر کیجئے یا کرتے جائیے کہ آپ کا سانس اس وقت ٹوٹے جب زندگی خطرہ میں پڑنے لگے!

جہاں تک راقم الحروف کی یادرفاقت کرتی ہے مرزا صاحب کا پہلا مضمون " اُردو " میں " دہلی کا ایک مشاعرہ " کے عنوان سے شائع ہوا تھا - پہلے مضمون سے ایسا مضمون مراد ہے جس کو خالصتاً ظریفانہ نہیں تو اس کا مقدمہ ضرور کہہ سکتے ہیں - اس کے بعد پھول والوں کی سیر ' اور مولانا نزیر احمد ' مرحوم کی سیرت اور دیگر مضامین شائع ہوئے - بہر حال یہ تو مرزا صاحب

کي "عصر ظرافت" یا "ظریفانہ عصر" کي "کھٹھونی" ہوئی جس سے ناظرین تو تو کیا فاعتبرو یا اولي‌الابصار" کو زیادہ فائدہ حاصل ہوگا -

ہاں تو کہنا یہ تھا کہ مرزا صاحب حال ھي میں اس حمام میں برھنہ ہوئے ھیں لیکن اس میں شک نہیں وہ "باتھ‌روم" میں نہیں بلکہ "حمام" ھي میں برھنہ ہوئے ھیں اور حمام کي برھنگی کا مشرقي مفہوم تہبند ھے جس کو مرزا صاحب نے ترک نہیں کیا ھے اور خوب کیا ھے - باتھ روم کے غسل اور وھاں کي برھنگي آرٹ و حفظان صحت کے اصول پر ممکن ھے صحیح ہو لیکن مشرق اور مشرقیت ابھی اس سے ہم آھنگ نہیں ہو سکي ھے اور شاید یہ ہو بھی نہیں سکتی - مرزا صاحب کا تہبند بھي وھي دادا جان کي "گاڑھے کي تہمد" ھے جس میں ستر ظرافت چھپي ہوتي ھے ' - ان کي نہیں اُن کے آرٹ کي !

فرحت اللہ بیگ صاحب کو عہد مغلیہ کے آخری دور کي معاشرت اور تمدن کا صحیح اور دلکش ترین مرقع کھینچنے پر بڑي قدرت حاصل ھے - ایسی قدرت جو بعض ناگزیر کوتاھیوں کے ساتھہ آپ کو مولانا راشدالخیري اور حکیم ناصر نذیر فراق کي تحریروں میں بھي نظر آ سکتي ھے اور اس کا سب سے بڑا سبب یہ ھے انھوں نے دلي ھي میں آنکھہ کھولي اور دلي والوں کي آنکھیں بھي دیکھیں - اس لئے وہ یا آغا حیدر حسن صاحب ( بقول علي گڑہ والوں کے "ددا سربھا" ) دلي کے سلسلہ میں جو کچھہ کہہ سن جائیں گے وہ باھر والوں یا والیوں کو کہاں نصیب - فرحت صاحب کي ظرافت میں انتہائي سادگي کے ساتھہ زبان اور بیان کا چٹخارہ بھی ہوتا ھے لیکن اس کے

ساتھہ ساتھہ یہ بھي کہنا پڑتا ھے کہ بعض اوقات وہ دانستہ یا
نا دانستہ طور پر محاورہ یا زبان یا ضرب‌الامثال کي بے محل
نمائش بھي کر جاتے ھیں اور مضمون کا اتنا حصہ قدرتاً مصنوعي
معلوم ھونے لگتا ھے - چغتائي اور فرحت صاحبان کے انداز تحریر
کا امتیاز خصوصي یہي ھے کہ چغتائي الفاظ ' محاورہ ' زبان یا
ضرب‌الامثال کي کبھي نمائش نہیں کرتے لیکن فرحت صاحب کو
چغتائي پر اس اعتبار سے تفوق حاصل ھے کہ فرحت صاحب کے
ظرافت بعض اھم اور سنجیدہ مقاصد کي ترجماں بھي ھوتي ھے -
چغتائي صاحب کي مانند فرحت صاحب کو بھي جزئیات خوب
سوجھتي ھیں اور یہي چیز صحیفہ ظرافت میں "جان سخن"
بھي ھے لیکن فرق یہ ھے کہ فرحت کي سوجھہ میں بوجھہ کو
بھي دخل ھوتا ھے اور چغتائي کو صرف سوجھتي ھے - لیکن
خوب سوجھتي ھے ۔

فرحت صاحب کے مضامین کے مطالعہ کے بعد ھم بے اختیار
کہہ پڑتے ھیں '

ایسی چنگاری بھي یارب اپني خاکستر میں تھي !
چغتائي صاحب کے مضامین پڑھنے کے بعد
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھي میرے دل میں تھي !

مرزا فرحت‌الله بیگ صاحب کے تحریر کا نمونہ درج
ذیل ھے -

"عشق کي گولیاں"

"ناصر کو میں کیا اسکے سارے دوست بےوقوف سمجھتے تھے
اور کیوں نہ سمجھتے جس بھلے آدمي کا سر کھوپڑے کي بتیا ھو
اس میں عقل ھي کہاں سے آنے لگی اور آئے گی بھي تو کتني

آئی گی - بیچارہ چار دفعہ انٹرنس کے امتحان میں بیٹھا اور سب مضمونوں میں فیل ہوا - اللہ نے ماں باپ کو روپیہ دیا تھا - جھٹ اُٹھا ولایت بھیجدیا - ہماری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ولایت کی آب و ہوا ہی کچھ ایسی ہے یا وہاں والے طالب علموں کو کتابیں گھول کر پلا دیتے ہیں کہ یہاں سے ان پڑھ جاؤ اور تین چار ہی برس میں بی اے - ایم اے - ال ال ڈی ہوکر آجاؤ - یہاں ناصر کے ساتھ بھی یہی ہوا یا تو کسی طرح انٹرنس پاس ہی نہ ہوتے تھے یا ولایت جاتے ہی زنازن امتحانوں میں پاس ہونے لگے اور تین ہی برس میں بی اے ہوکر ڈاکٹری کی جماعت میں شریک ہوگئے - بڑی نوابی سے وہاں پانچ برس گذرے امتحان میں بیٹھے پاس ہوئے اور سند مل گئی کہ آج سے اس شخص کو اختیار ہے جس کو چاہے زہر دیکر مار ڈالے جس پر چاہے چھری چلا دے جس کو چاہے عدم‌آباد پہنچا دے ' کسی قانون کے رو سے اس کے مقابلہ میں ضرر شدید ' زہر خورانی یا قتل عمد کا مقدمہ قائم نہ ہو سکے گا - خیر پڑھائی سے فارغ ہوکر گھر آئے اور بہت دھوم دھام سے آئے - ماں باپ کے دل باغ باغ ہوئے ' قبرستان والوں کے ہاں عید ہوئی مریضوں اور بیماروں کی موت آئی - میاں ناصر نے اپنی دوکان پھیلائی اور ملک الموت نے اُن کے نام سے اپنے دفتر میں ایک نیا کھاتہ کھول دیا .......... ''

---

'' آزاد نگارستان[۱] اور دادا جان ''

'' مل گئی - آخر نگارستان کو آزادی مل ہی گئی - اور

۱ - نگارستان سے مراد چین نہیں ہے بلکہ وہ ملک ہے جہاں نگرز Niggers ( کالی چمڑی والے ) رہتے ہیں

کیوں نہ ملتی - اس ایک آزادی کے لئے یہاں والوں نے کیا کیا جتن نہیں کئے - کھیتوں کی کاشتکاری چھوڑی ' نہروں سے پانی لینا چھوڑ دیا ' ولائتی کپڑے کا خریدنا چھوڑ دیا ' تجارت میں حصہ لینا چھوڑ دیا - بلکوں سے حساب کتاب چھوڑ دیا - دوکانوں پر چوکسی کی - شہروں پر ڈاکے ڈالے - ریلوں کے پل اُڑائے - اپنے اور غیروں پر طپنچے چلائے ' فوجوں کی گولیاں کھائیں ' پولیس نے ظلم سہے ' جیل خانوں میں چھاؤنی چھائی ' پھانسیوں پر جان گنوائی - آخر آزادی آئی اور بڑے زور سے آئی - حکومت ملی اور پوری حکومت ملی - خیر ایک جھگڑا گیا مگر دوسری مصیبت یہ پیش آئی کہ حکومت کریں تو کیوں کر کریں ' اور حکومت کرے تو کون کرے " دادا جان قصبہ امن آباد کی طرف سے پارلیمان کے ممبر منتخب ہوئے ' چنانچہ اب شریک جلسہ ہونے کے لیئے روانہ ہورہے ہیں -

" ........ دادا جان نے جھٹ پٹ روانگی کا سامان درست کرنا شروع کر دیا ' کہیں سے ڈھونڈھ ڈھانڈ کر کسی وقت وقتاں کا ٹاٹ کا بیگ نکالا - موچی کو بلوا کر جہاں جہاں سے چوہوں نے کاٹا تھا اس کو سلوایا گیا - دو جوڑے کپڑے لنگی میں لپیٹ کر اس میں رکھے گئے ناریل کا حقہ چلم تمباکو کوئلے اور دیاسلائی کی ڈبیہ اور خدا جانے کیا کیا الا بلا اس میں ٹھونسی گئی - پرانی دری دھلوائی گئی - صاف چادر اور دو موٹے موٹے تکیے اس میں لپیٹ اور اوپر چھتری اور لٹھہ رکھہ ' سب کو بان سے کسا گیا - ٹین کے لوٹے میں رسی باندھ کر اس کو بستر ے میں لٹکایا گیا - داڑھی اور بالوں میں لوگوں کے بہت کہنے سننے سے خضاب لگایا - چونکہ بچارے بالوں نے اس سے

پہلے یہ مصیبت کبھی نہیں اُٹھائی تھی اس لیے ہر بال نے اپنی طبیعت کے موافق نیا رنگ اختیار کیا داڑھی سیاھی سے شروع ہوئی - آگے چل کر طاؤسی رنگ کی ہوئی - پھر اور آگے اودی ہوئی اور آخر ہلکے گلابی رنگ پر ختم ہوئی - سر کے بال ذرا اچھے رہے کیونکہ سب کے سب مل ملا کر کشمشی رنگ کی ٹوپی بن گئے -

چلنے کے دن صبح ہی سے دادا جان کا بناؤ شروع ہوا - موٹے گاڑھے کا کوئی تین گز کا منڈا سا باندھا - بدن پر گاڑھے کی مرزئی پہنی - گاڑھے کی تہمد پہنی - پاؤں میں ادھوڑی استر کا نعل دار جوتا پہنا - روپیوں کی ہمیانی کمر میں لپیٹی اور پارلیمان کے پورے ممبر ہو گئے - منجھولی میں بیٹھ کر گھر سے نکلے ...... اسی دھم دھم میں اسٹیشن آگیا - گاڑی کے آنے میں دیر تھی - دادا جان کو گھبراہٹ ہورہی تھی ' کبھی ریل کو برا بھلا کہتے کبھی ریل والوں کو - کبھی کہتے بھئی ہم سے یہ ریل ویل چلانی ذرا مشکل ہے - تم ہی دیکھو نا کہ پہلے کیا ٹھیک وقت پر آتی تھی اور آج آنے کا نام ہی نہیں لیتی ' میں نے کہا دادا جان اب ریل کے وقت بدل گئے ہیں کہنے لگے یہی تو میں بھی کہتا ہوں کہ ہم لوگوں سے یہ کام سمٹتا نظر نہیں آتا - بھلا تم ہی بتاؤ کہ پہلے وقت میں کیا برائی تھی جو بیٹھے بٹھائے اس کو بدل دیا - نہیں بھئی یہ کام کچھ وہی لوگ اچھا چلاتے تھے - میں تو کمیٹی میں جاتے ہی کہوں گا کہ اس ریل کو پرانی سرکار کے ہاتھ بیچ ڈالو - اُن کی دیکھی بھالی چیز ہے وہی اُس کے کل پرزوں کو خوب سمجھتے ہیں - ہم نئے آدمیوں سے یہ کام نہ

سنبھلا ہے نہ سنبھلے گا - میں نے ہزار طرح سمجھایا کہ پہلے بھی ریلوں کے وقت بدلا کرتے تھے مگر وہ کسی طرح نہ سمجھے اور یہی کہتے رہے کہ ریل کو تو میں بکوا کر رہوں گا - خیر خدا خدا کر کے ریل آ ہی گئی - میں دادا جان کو اول درجہ کے پاس لیکر گیا ' اُنھوں نے اندر جھانکا اور جھٹ باہر نکل آئے میں نے کہا اندر جائیے کہنے لگے یہ ہمارا درجہ نہیں ہے افسروں کا ہے ہم کو وہیں تیسرے درجہ میں لے چلو بڑی مشکل سے میں نے اُن کو اندر کیا وہاں پارلیمان کے دو اور ممبر بیٹھے تھے - اُنھوں نے جو اُن کی ہیئت کذائی دیکھی تو کہا Get out ! This is first class. ( نکل جاؤ یہ اول درجہ ہے ) - دادا جان انگریزی تو کیا خاک سمجھتے ہاں ان لوگوں کے چہرے اور الفاظ کے جھٹکے سے جان گئے کہ مجھے نکل جانے کو کہتے ہیں فوراً باہر آگئے پھر لاکھہ سر مارا کہ اندر جاکر بیٹھئے - اُن لوگوں سے بھی کہا کہ یہ پارلیمان کے ممبر ہیں لیکن دادا جان کسی طرح راضی نہ ہوئے اور ساتھہ ہی میرے پیچھے پڑ گئے کہ ساتھہ چل - آخر میں نے بھی تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لیا اور بیگ بیڈنگ و دو گوش اُن کے ساتھہ ریل میں سوار ہو گیا -

تھرڈ کلاس میں بیٹھہ کر دادا جان کی طبیعت کھلی - پہلے اپنا تھیلا کھولا - ناریل نکالا ' کوئلے جلائے چلم بھری اور اپنے ہمجنسوں سے مزے مزے کی باتیں کرنے لگے - اناج کے بھاؤ پر بحث ہوئی - سرکاری مالگذاری کے قصے چھڑے - مقدمات کا ذکر ہوا - نئی گورنمنٹ کے متعلق رائے زنی ہوئی - پارلیمان کے لیئے تحریکات مرتب ہوئیں غرض رات کے گیارہ بجے تک یہی

جھک جھک بک بک ھوتي رھي - میں تو کھڑکي میں سر رکھہ کر سو گیا معلوم نہیں یہ قصہ کب تک چلے اور کب ختم ھوئے - ھاں صبح جب میري آنکھہ کھلی تو دیکھا کہ دادا جان اسي طرح اپنے یار دوستوں میں بیٹھے چلم کے دم لگا رھے ھیں ........ "

کوئي گیارہ بجے پارلیمان کے دروازہ پر جا پہنچے - دادا جان نے بسم اللہ کہہ سیڑھیاں چڑہ ' عمارت کے عالی شان پھاٹک میں قدم رکھا - دروازہ ھي پر افسر نے ٹکٹ مانگا - ان کے پاس دو ٹکٹ آئے تھے ایک سبز اور دوسرا سفید - معلوم ھوتا ھے سفید ٹکٹ گیلري کا تھا اور سبز ٹکٹ ممبري کا - سفید ٹکٹ شاید اس لئے آیا تھا کہ اگر کسی دوست کو لانا چاھو تو لا سکتے ھو - انھوں نے سفید ٹکٹ نکال کر افسر کے ھاتھہ میں دیا اس نے دو منزلہ کي جو سیڑھیاں تھیں ان کي طرف اشارہ کر دیا - یہ نعل دار جوتے سے کھٹ کھٹ کرتے سیڑھیوں پر چڑھے کوئی چار پانچ ھي سیڑھیاں چڑھے ھونگے کہ سپاھی نے ھونٹوں پر انگلیاں رکھہ کر خاموشي کا اشارہ کیا انھوں نے ذرا آھستہ آھستہ پاؤں رکھنے شروع کئے مگر اِس سے کیا ھوتا تھا سنگ مرمر کي سیڑھیاں تھیں اور نعلدار جوتا - لاکھہ دبا کر پاؤں رکھتے وہ کھٹ کھٹ کہاں جاتي تھي - تھوڑے ھی اوپر گئے ھونگے کہ دوسرے سپاھی نے وھی خاموشي کا اشارہ کیا اب ان کو سوائے اسکے کچھہ نہ سوجھي کہ جوتیاں اُتار بغل میں دبا لیں اور ننگے پاؤں اوپر چڑھیں چنانچہ اس طرح یہ مشکل آسان ھوئي - سیڑھي کي طرف جو دروازہ تھا اس پر ایک پہرہ‌دار کھڑا تھا - اُس نے بایاں ھاتھہ پھیلا کر اشارہ کیا کہ آگے جاؤ - یہ سڑک کے انتظام میں پولیس کے سپاھي کي

حرکات کا مطالعہ اچھي طرح کر چکے تھے سمجھے کہ اس دروازہ میں جانے کو کہنا ہے جھٹ ڈبکی مار اس کے ہاتھہ کے نیچے سے گذر دروازہ میں داخل ہوئے -

شامت اعمال سے یہ گیلری عورتوں کي تھي - عورتوں نے جو دیکھا کہ ایک دھقاں جوتیاں بغل میں دبائے اندر گھسا آ رہا ہے تو غل مچا دیا - کسي کو چکر آیا کوئی گھبرا کر کھڑي ہوگئي - ایک بیگم صاحب نے بے دم ہو کر دادا جان کے کندھے پر سر رکھہ دیا - نیچے پارلیمان کا اجلاس ہو رہا تھا - اس غل شور سے وہ بھی بند ہو گیا - سب لوگ پھر پھر کر عورتوں کی گیلري کي طرف دیکھنے لگے.........آخر نیچے سے دو تین افسروں نے آ کر دادا جان کو اس گیلري سے نکال کر زبردستي مردوں کي گیلری میں ٹھونس دیا -

یہ تھوڑي دیر تک تو پریشان حال بیٹھے رہے جب ذرا طبیعت سنبھلي تو اپنی جگہہ سے اُٹھے اور لوگوں کي کُہنیاں کھاتے ، دھتکاریں سنتے گیلري کے جنگلہ تک پہنچے اور جنگلہ پر دونوں کہنیاں ٹیک جھک کر نیچے کا تماشا دیکھنے لگے لوگوں نے ہٹانا بھي چاہا - ٹانگوں میں چٹکیاں بھي لیں مگر یہ کیا ہٹنے والے اسامي تھے - تھوڑي دیر کے بعد ایک صاحب سے پوچھا ارے بھئي یہ نیچے کیا ہو رہا ہے انہوں نے کہا کہ پارلیمان کا اجلاس ، پھر سوال کیا کہ نیچے جو لوگ بیٹھے ہیں یہ کون ہیں اُنھوں نے جواب دیا کہ یہ پارلیمان کے ممبر ہیں اتنا سننا تھا کہ دادا جان نے نعرہ مارا کہ ٹھرو ٹھرو ہم کو بھی نیچے آنے دو یہ ہمارے بغیر کیوں اجلاس کیا جا رہا ہے اس آواز سے سب لوگوں کی نظریں مردانہ گیلري کي طرف خود

بکھود پھر گئیں کیا دیکھتے ھیں کہ وھی صاحب جو پہلے زنانہ گیلری میں آفت بپا کر چکے تھے اب دوسری گیلری میں کھڑے اجلاس بند کرنے کا حکم دے رھے ھیں - لوگوں میں گھسر پھسر شروع ھوئی صدر نشین نے بڑے زور سے " خاموش " کہا دادا جان سمجھے مجھے خاموش کرنے کو کہا جا رہا ھے وھیں سے چیخ کو بولے آخر ھم کیوں چپ رھیں - ایک تو بغیر ھمارے کمیٹی شروع کر دو اور پھر یہ کہو کہ چپ رھو ' ھم یہاں بولنے آئے ھیں یا چُپ رھنے کو .......... " -

---

" ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی کچھہ میری اور کچھہ ان کی زبانی " -

" میں نے دادی سے کہا کہ بھئی تمہارے کہنے سے میں نے عربی لی تھی اب مرے کہنے سے تم سائنس لے لو جس سہولت کی بنا پر تم نے میرا مضمون بدلوایا تھا اب اسی سہولت کے مد نظر اپنا مضمون بدلو - بقول شخصے کہ " مرتا کیا نہ کرتا " وہ راضی ھوگئے - دفتر میں جاکر جو لکچروں کا حساب کیا تو معلوم ھوا کہ مضمون تبدیل کرنیکا وقت نہیں رھا - لکچر کم رہ جائینگے اور اس طرح بجائے دو سال کے تین سال میں شریک امتحان ھونا پڑے گا " سنگ آمد و سخت آمد " جب " وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دوکان اپنی بڑھا گئے " کی صورت آپڑی تو دوسرے ٹھکانے کی تلاش ھوئی - دونوں سر ملاکر بیٹھے ' مشورے کئے ' رزولیشن پاس ھوئے آخر یہ تجویز پاس ھوئی کہ " خاک از تودہ کلاں بردار " کے مقولے پر عمل کر کے کسی زبردست مولوی کو گھیرنا چاھیے دلی میں دو تین

بڑے عربی داں مانے جاتے تھے - ایک مولوی محمد اسحاق صاحب دوسرے شمس العلما مولوی ضیاءالدین خاں صاحب ال ال ڈی اور تیسرے مولوی نذیر احمد خاں صاحب - پہلے کو تو دیوانگی سے فرصت نہ تھی - قرعہ دوسرے صاحب پر پڑا ، گرمیوں کا زمانہ تھا - مولوی ضیاءالدین صاحب جامع مسجد میں رات کے دس گیارہ بجے تک بیٹھے وظیفہ پڑھا کرتے تھے - ہم دونوں نے بھی جاکر شام ہی سے جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ڈیرے ڈالدئے آٹھ بجے نو بجے دس بج گئے - مولوی صاحب نہ آج نکلتے ہیں نہ کل - خدا خدا کر کے دروازہ سے قندیل نکلتی معلوم ہوئی - ہم دونوں بھی ہاتھ پاؤں جھٹک کر خوشامد کے فقرے سوچ کھڑے ہوگئے - ہم آخر سیڑھیوں پر کھڑے تھے اس لیے دروازہ میں سے پہلے قندیل نکلتی نظر آئی اس کے بعد جس طرح سمندر کے کنارے سے جہاز آتا دکھائی دیتا ہے اسی طرح پہلے مولوی صاحب کا عمامہ اس کے بعد ان کا نورانی چہرہ ، سرمگیں آنکھیں ، سفید ریش مبارک ، سفید جبہ اور سب سے آخر زرد بانات کی سلیم شاہی جوتیاں نظر آئیں ........ "

---

"........ اندھا کیا چاہیے دو آنکھیں ، ٹھیک آٹھ بجے ہم دونوں سراج الدین صاحب کی دوکان پر پہنچے - یہ دوکان فتح پوری کی مسجد کے قریب تھی جاکر کیا دیکھتے ہیں کہ مولوی صاحب بیٹھے سراج الدین سے کچھ رقم کا حساب کر رہے ہیں - ہم نے جاتے ہی فراشی سلام کئے اور خاموش تخت کے کونے پر بیٹھ گئے - سراج الدین صاحب نے خیریت پوچھی - عبدالرحمن ہمارے پاس آ بیٹھے - مگر مولوی صاحب روپیوں

کے حساب کتاب میں اسقدر مشغول تھے کہ اُنھوں نے دیکھا بھی نہیں کہ کون آیا کون گیا - میں نے سوچا کہ معاملہ یہاں بھی پتتا معلوم نہیں ہوتا - دھتکار سلکر یہاں سے بھی نکلنا پڑے گا - سچ ہے مایوسی انسان کو ہمت والا بنا دیتی ہے - " مرتا کیا نہ کرتا " میں نے بھی سوچ لیا " آج اِس پار یا اُس پار " - مولوی ضیاء الدین صاحب تو بچ کر نکل گئے لیکن مولوی نذیر احمد صاحب سے دو دو ہاتھ ہو جائیں گے - قصہ مختصر مولوی صاحب حساب سے فارغ ہوئے اور پوچھا کہ یہ دونوں صاحب کون ہیں - عبدالرحمن نے ہمارے نام بتائے کچھ اُلٹے سیدھے خاندانی حالات بھی بیان کئے اس کے بعد ہماری مصیبت کا بھی ذرا سا تذکرہ کیا اور خاموش ہو گئے - میں نے دل میں کہا " پرائے برتے کھیلا جوا ' آج نہ ہوا کل ہوا " اب میاں عبدالرحمن کو رہنے دو جو کچھ کہنا ہے خود کہہ ڈالو - کہیں ایسا نہ ہو کہ یہاں سے بھی بے نیل مرام با ضابطہ پسپائی ہو - میں نے نہایت رقت آمیز لہجے میں اپنی مصیبت کا تذکرہ شروع کیا ' فرمانے لگے تو عربی چھوڑ دو سائنس پڑھو - بیٹا آج کل مسلمانوں کو سائنس کی بڑی ضرورت ہے - ہمارے یہاں مثل ہے " پڑھیں فارسی بیچیں تیل یہ دیکھو قدرت کے کھیل " فارسی پڑھکر تو تیل بیچ لوگے عربی پڑھ کر تیل بھی بیچنا نہ آئے گا " -

---

اس سلسلہ میں بے جا نہ ہوگا اگر یہاں مرزا صاحب کے مضمون ( منقولہ بالا ) کا ایک اور حصہ ناظرین کے ملاحظہ کے لئے پیش کر دیا جائے -

'' ............ محاوروں کي بھرمار کے متعلق اکثر مجھہ سے ان کا جھگڑا ہوا کرتا تھا میں ہمیشہ کہا کرتا تھا ' مولوي صاحب ( ڈاکٹر نذیر احمد صاحب ) اپنے محاوروں کی کوئی فہرست تیار کر لي ہے اور کسي نہ کسي محاورہ کو آپ کسي نہ کسي جگہہ پھنسا دینا چاہتے ہیں خواہ اس کي گنجائش وہاں ہو یا نہ ہو - جناب والا اہل زبان کو یہ دکھانے کي ضرورت نہیں کہ وہ محاوروں پر حاوي ہے یہ صرف وہ لوگ کرتے ہیں جو دوسروں کو بتانا چاہتے ہیں کہ ہم باہر والے نہیں دهلي والے ہیں ............ مجھکو مولوی صاحب کی طرز تحریر پر کوئي رائے ظاہر کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ اول تو میرے لئے ابتدا ہي میں '' خطائے بزرگاں گرفتن خطا است '' کي سب سے بڑي ٹھوکر ہے ......... محاوروں کے استعمال کا شوق مولوي صاحب کو حد سے زیادہ تھا تحریر میں ہو یا تقریر میں وہ محاوروں کي ٹھونسم ٹھانس سے عبارت کو بے لطف کر دیتے تھے اور بعض اوقات ایسے محاورے استعمال کر جاتے تھے جو بے موقع ہی نہیں اکثر غلط ہوتے تھے خدا معلوم انھوں نے محاوروں کي کوئي فرھنگ تیار کر رکھی تھي یا ' کہا ایسے ایسے محاورے ان کي زبان اور قلم سے نکل جاتے تھے جو نہ کبھی دیکھیے نہ سنے ............ '' -

محاوروے کي '' ٹھونسم ٹھانس '' پر مرزا صاحب اپنے استاد سے کافي برهم نظر آتے ہیں لیکن جیسا کہ اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے شاگرد اور اُستاد ' اس سلسلے میں ایک ہي تھیلي ............ نہیں ............ ایک ہي ٹھیکرے ............ لیکن لاحول ولاقوۃ یہ مرض تو کچھہ متعدي سا معلوم ہوتا ہے !

مرزا صاحب کا یہ مضمون " مرقع نگاری " کا بہترین نمونہ ہے - اس کا جواب شاید اردو ادب میں معدوم ہے !!

---

سجاد علی انصاری مرحوم بی - اے ( علیگ ) - سجاد اور مہدی ( افادی مرحوم ) اُردوئے جدید کے رنگ و بو تھے - ان کو اُردو کا نشۃالثانیہ کہنا روا ہے - ذوق صحیح اور طنزیات جدید کا امام آہ کہ دنیا سے ابھی اُٹھا ہے - سجاد مرحوم اپنے معتقدات کے اعتبار سے کچھ ہی کیوں نہ رہے ہوں - ان کے اُٹھ جانے سے اُردو کی محفل میں ایسی جگہ خالی ہوئی ہے جس کا مستقبل قریب میں پُر ہونا آسان نہیں ہے - وہ متعصب نہیں فصاد تھے اور بے پناہ اور کامل‌الفن فصاد - اُنہوں نے " بدمذاقی " اور " بدتوفیقی " کی رگ و پے پر خوب خوب نشتر زنی کی ہے - اُنہوں نے فریب کو کبھی پنپنے نہ دیا - بعض طبائع کو ان سے ناگواری بھی پیدا ہوئی لیکن ' بناء مخاصمت ' معتقدات تھے نہ کہ ان کا آرٹ ! واقعہ یہ ہے کہ سجاد کو فریب سے دشمنی تھی اور وہ بھی ازلی ' وہ ہر فریب سے بیزار تھے خواہ اس کا اثر دوسروں پر پڑتا یا اس کا مورد خود " فریبی " ہوتا - وہ مذہب نہیں " مذہبی " کے درپے تھے - اس میں شک نہیں وہ اصلاح کے قائل نہ تھے ان کا ایمان صرف جہاد پر تھا - جہاد کامیاب ہوا ہو یا نہ ہو سجاد یقیناً کامیاب رہے !

سجاد مرحوم کا عقیدہ تھا کہ لطافت خیال ہی خلاصہ کائنات ہے اور لطافت خیال معتقدات کی کورانہ پیروی سے بالا تر ہے - سجاد کی خصوصیت انشا یہ تھی کہ وہ جو کچھ لکھتا

چاھتے تھے جلد از جلد اور کم سے کم الفاظ میں کھدیا کرتے تھے - طنزیئین کا مسلک یہ ھونا چاھیے کہ دوسروں کے جذبات کا احترام کرنے سے قبل واقعات کی ترجمانی کریں - اگر یہ نہیں تو پھر اسے طنزیات نہیں سیاسیات قرار دینا چاھیے اسي وجہ سے طنزیات کي وادی نہایت پر خطر ھے ' یہاں مفاھمہ نہیں صرف مصادمہ ھے - نظر براں اس فریضہ سے عہدہ بر آ ھونے کے لئے انتہائی جراءت ' صحت ذوق اور قدرت بیان کي ضرورت ھے - سجاد مرحوم ان صفات کے مسولیني تھے ' قوموں کي مانند ادبیات کي زندگي میں بھي ایک دور ایسا آتا ھے جب اس میں مصطفیٰ کمال اور مسولیني کا پیدا ھونا ناگزیر ھو جاتا ھے -

سجاد مرحوم کے مضامین کا مجموعہ ' محشر خیال ' کے نام سے شائع ھو چکا ھے ' یہاں جستہ جستہ اقتباسات پیش کئے جاتے ھیں -

'' تجلیات ''

'' مدعیان علم و حکمت عقلمندوں کو گمراہ کرنا چاھتے ھیں اور مدعیان زھد و تصوف بیوقوفوں کو ........ آج کل اعمال حسنہ کی تلقین صرف وہ بد مزاق کر سکتا ھے جس میں زاھد خشک کي بد نصیبیاں اور جوان صالح کي بد توفیقیاں فطرت کي طرف سے ودیعت کي گئي ھوں ........ ''

'' سعی ناکام دعاء مقبول سے برگزیدہ تر ھے ' کوششوں میں عظمت انسانی مضمر ھے لیکن دعا انسانیت کا ایک اعلان شکست ھے جس کے ذریعہ سے انساني مجبوریوں کا راز ان فرشتوں پر بھي منکشف ھو جاتا ھے جو کسي طرح اس انکشاف کے اھل

نہیں .......... علما ہر مسئلہ کو صرف و نحو سے سمجھانا چاھتے ھیں - یہي سلوک انہوں نے خدا کے ساتھہ بھي کرنا چاھا لیکن وہ قادر اور توانا ھے - اس نے انسانی دماغ کو کامل شکست دیدي - وہ جانتا ھے کہ انسان فلسفہ ارر منطق کے ہر کلیہ سے اس کو محصور کرنا چاھیگا - اسي لئے حفظ ماتقدم کے اصول پر اس نے اپني ذات میں تمام متضاد صفات مجتمع کر لیں تاکہ انسان کي عقل بیکار ہو جائے - اس کي ہر منطق مجبور اور اس کا ہر فلسفہ لایعنی ثابت ہو ''

---

'' مذھب و اخلاق ''

'' ........ ایران کے متعلق دنیا کو یہ غلط فہمي ھے کہ وہ ایک طور ھے جس پر حقائق رنگیں کی تجلیاں پرتوافگن ہوتي ھیں -

لیکن میں اس کا قائل نہیں - اگر ایرانیوں میں مذاق سلیم کی نیرنگیاں اور حِس لطیف کی رنگینیاں ہوتیں تو وہ قرۃالعین کی بربادیوں کے متحمل نہ ہو سکتے اگر کوئی صحیح موقعہ سلطنت کے نظم و نسق '' علماء کرام '' کے اجتہاد اور جماعت کے طریقہ کار کے خلاف بغاوت کرنیکا تھا تو یہی تھا جب قرۃالعین عبرت ناک مظالم کے ساتھہ ہلاک کر دیگئی - ان سفاکیوں کی ذمہ دار حقیقتاً وہ جماعت ھے جو زعم کثرت میں انفرادي عظمتوں کو برباد کرتی رھتی ھے اور وہ '' پاسبانان مذاھب '' جو ھمیشہ پاسبانی کے پردہ میں بہیمیت کے کرشمے دکھلاتے رھے !

مجھے عقبیٰ سے کوئی دلچسپی نہیں ، البتہ اس کا منتظر ضرور ہوں - میں قرۃالعین کے قاتلوں کا حشر دیکھنا چاہتا ہوں - میرا عقیدہ ہے کہ خدا غلط مواقع پر رحم و کرم کو دخل نہیں دیتا وہ حسن کی لطافتوں کا بھی معرف ہے اور شباب کی رنگینیوں کا بھی - وہ ہرگز نہیں چاہتا کہ اس کے مظاہر لطیف کو دنیا والے اس بے دردی کے ساتھہ پامال کر دیں !

" حقیقت عریاں "

فرشتے کی انتہا یہ ہے کہ شیطان ہو جائے - ایک حقیقت جب مٹتی ہے دوسری حقیقت ہو جاتی ہے - خدا نے ابتدا میں صرف فرشتوں کو پیدا کیا تھا اس وقت تخلیق شیطنت کی ضرورت ہی نہ تھی وہ جانتا تھا کہ خود ملکوتیت میں عناصر شیطنت مضمر ہیں - سلسلۂ ارتقاء سے شیطان خود بخود پیدا ہو جائے گا معلم‌الملکوت کی فطرت میں ملکوتیت کے وہ تمام عناصر مکمل ہو چکے تھے جو تخلیق شیطنت کے لئے لازمی تھے - فطرتاً اس کے لئے یہ محال تھا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی ملکوتیت پر قانع رہے - وہ شیطنت پر مجبور ہوگیا اس کے سامنے ایک نئی حقیقت کی وسعتیں پیدا ہو گئی تھیں - وہ کسی طرح فرشتہ نہیں رہ سکتا تھا ............ شیطنت ایک حقیقت تھی جسے کوئی فرشتہ نہیں جھٹلا سکتا تھا ........... "

---

مولانا نیاز فتحپوری نے ایک جگہہ لکھا ہے ،

" مزاح نگار کی حیثیت سے اس وقت پطرس ، رموزی ، رشید اور عظیم چغتائی بہت مشہور ہیں ...... . چغتائی صاحب

کي مزاح نگاري اکثر و بيشتر منحصر ہوتي هے صرف پلاٹ يا واقعات پر يعني وہ حالات ايسے پيش کرتے هيں جو مشاهدے کے بعد يوں بهي هر شخص کو هنسا سکتے هيں رموزي کي مزاح نگاري منحصر هے اس امر پر که وہ الفاظ يا فقروں کا استعمال ان کے عام متبادر معني سے هٹ کر کرتے هيں - رشيد صاحب کي مزاح نگاری کا دور اولين فلسفيانه مزاح نگاری کا بهترين نمونه تها - ليکن اب ايسا معلوم هوتا هے که شايد ان کا دماغ زيادہ تهک گيا هے اور وہ غور و تامل کي کلفت ميں نه خود مبتلا هونا چاهتے هيں نه کسي اور کو مبتلا کرنا چاهتے هيں تاهم کوئي نه کوئي سنجيدہ نتيجه ان کي تحرير سے ضرور پيدا هوتا هے - پطرس کي مزاح نگاری بڑي حد تک مغربي رنگ کي هے جس ميں واقعه و انداز بيان دونوں سے مضحک کيفيات پيدا کيجاتي هيں ليکن نتيجه کے لحاظ سے همارے لئے يه کهنا دشوار هو جاتا هے که اس ميں واقعي کسي تلخ حقيقت ( grim reality ) کا مطالبه پيش کيا گيا هے - حالانکه ايک مزاح نگار کا حقيقي کمال يهي هے - شوکت کي مزاح نگاري بهي اس خصوصيت سے معرا هے اور وہ بهي قطعي طور پر اپنے موضوع سے گذرنا چاهتے هيں ليکن اس کے ساتهه ان کے يهاں زبان کا لطف ' مشاهدہ ' جزئيات اور لطافت خيال يه سب اس قدر خوبي کے ساتهه ملے هوئے نظر آتے هيں که وہ اپني فضا خاص پيدا کر ليتے هيں ........ '' -

'' پطرس ' رموزي ' اور عظيم چغتائي کے بارہ ميں مولانا نياز نے جو کچهه فرمايا هے اس کے صحيح يا غير صحيح هونے کی ذمهداری خود ان پر يا پهر اس '' تثليث '' يا

بقول[۱] شخصے ''تگدم'' پر عائد ہوتی ہے - البتہ "رشید صاحب''
کے متعلق جو کچھ ارشاد ہوا ہے اس کا کم سے کم یہ فقرہ

''شاید ان کا دماغ زیادہ تھک گیا ہے''

قطعاً صحیح ہے بشرطیکہ دماغ کے ساتھ اب قلم بھی شامل کر
لیا جائے - چنانچہ بقیہ آیندہ اڈیشن میں !

---

۱ - تثلیث کا مفہوم تگدم سے ادا کرنا ، یاد نہیں آتا کسکی جدت طبع
ہے - ممکن ہے خود میری ہو ممکن ہے کسی اور ''صدیقی'' کی ہو -

# اغلاط نامه

| صفحه — سطر | غلط | صحیح | صفحه — سطر | غلط | صحیح |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| ۲ — ۶ | معمولي | معمول | ۴ — ۱۰ | کا پہلو | کا یہ پہلو |
| ۲ — ۷ | ہوتے | ہو گئے | ۴ — ۱۹ | اسیمٹن | اسیٹن |
| ۲ — ۱۴ | دیوتاؤں | ... | ۴ — ۲۰ | کے | کي |
| ۳ — ۱۱ | أنہیں | اِنہیں | ۱۱ — ۵ | غیر | .. |
| ۳ — ۱۴ | ,, | ,, | ۱۲ — ۱۶ | خیطبانه | خطیبانه |
| ۳ — ۱۶ | ہونے لگا | دیکھنے لگے | ۱۴ — ۵ | واقم اسطور | راقم‌السطور |
| ۴ — ۱۰ | اسباپ | اس باب | ۱۷ — ۲۰ | برتّاسکا | برتّانیکا |
| ۴ — ۲۲ | Laux | Lanx | ۱۸ — ۱۶ | فرد | فرو |
| ۶ — ۱۲ | کچھ بعد | کچھ عرصه بعد | ۱۸ — ۱۶ | لعن طعن | لعن و طعن |
| ۱۰ — ۳ | پیچپید | پیچیده | ۱۹ — ۲ | قایم | قدیم |

| صفحہ — سطر | غلط | صحیح | صفحہ — سطر | غلط | صحیح |
|---|---|---|---|---|---|
| ۲۰ — | کی | کے | ۲۶ — ۱۳ | ناضرین | ناظرین |
| ۱۰ — ۷ | تمسیلہ | تمثیلیہ | ۳۰ — ۱۲ | یر | بر |
| ۲۰ — ۸ | کے | کی | ۳۱ — ۹ | تشیند | نشیند |
| ۲۰ — ۱۱ | اِن | اَن | ۳۱ — ۲۲ | پیامدید | بیا لاید |
| ۲۱ — | صفحہ ۹۱ | صفحہ ۲۱ | صفحہ ۳۲ | ۳۱ | ۳۲ |
| ۲۱ — ۱۵ | لینڈسے | لنڈسے | ۳۳ — ۲۰ | اسلہ | اسلحہ |
| ۴ — ۹ | اس ز دگی | اس میں زندگی | ۳۵ — ۱ | گفیتم | گفتیم |
| ۲۴ — ۱۵ | لنظوں | الفاظ | ۳۶ — ۱ | املع | املح |
| ۲۵ — ۲ | سے | بے | ۳۶ — ۱۱ | ابوالحق | ابواسحق |
| ۲۶ — ۳ | استعدار | استعداد | ۳۷ — ۲۱ | معزرت | معذرت |
| ۲۷ — ۲۱ | اتفات | التفات | ۴۰ — ۹ | املع | املح |

| صفحہ—سطر | غلط | صحیح |
|---|---|---|
| ۴۴—۷ | ایرنی | ایرانی |
| ۴۷—۱۳ | سودا کے | سودا کا |
| ۴۸—۴ | میں | ہے |
| ۵۱—۱۳ | انھوں فرمایا | انھوں نے فرمایا |
| ۵۱—۲۰ | یہ | پہ |
| ۶۰—۱ | اوت | ادت |
| ۶۱—۹ | جوب | خوب |
| ۷۶—۱۵ | چلک | چاک |
| ۷۷—۱ | چہر | چہرہ |
| ۷۹—۷ | س | اِس |
| ۸۳—۴ | گوئي | کوئی |
| ۸۹—۶ | آتی | آتي |
| ۸۹—۱۴ | گوماتی | گرماتي |
| ۸۸—۳ | کاشنس | کانشنس |
| ۸۸—۸ | کڑے | لڑے |
| ۹۵—۱۱ | استعفا | استغنا |
| ۱۰۰—۱۱ | ازاد | سرشار |
| ۱۰۳—۱۸ | خیر | جن |
| ۱۰۵—۱۳ | اذل | ارذل |
| ۱۱۳—۳ | لساالعصر | لسان العصر |
| ۱۱۴—۱۶ | ھجائیں | ہو جائیں |
| ۱۱۵—۱۶ | گھپر | گھیر |

| صفحہ—سطر | غلط | صحیح |
|---|---|---|
| ۱۳۹— | صفحہ ۱۳۶ | ۱۳۶ |
| ۱۳۹—۲ | اس | کي |
| ۱۳۹—۳ | زیادہ ہو | زیادہ سیاہ |
| ۱۳۸—۷ | بڑکے | بڑے |
| ۱۳۸—۱۸ | ہتیار | ہتھیار |
| ۱۳۸—۲۲ | ملسح | مساح |
| ۱۳۹—۱۲ | شہزدہ | شہزادہ |
| ۱۴۰—۵ | نوچ | نوچ |
| ۱۴۰—۱۴ | اور | .. |
| ۱۴۱—۱۷ | وہی | دھی |
| ۱۴۱—۲۰ | گلسنی | گللنسي |

| صفحہ—سطر | غلط | صحیح |
|---|---|---|
| ۱۴۲—۹ | تول | قول |
| ۱۴۲—۶ | تطبق | تطابق |
| ۱۴۲—۱۵ | قویم | قدیم |
| ۱۴۳—۹ | جر | جو |
| ۱۴۸—۱۱ | کر نہ | کرکے |
| ۱۵۳—۴ | لوگرن | لوگوں |
| ۱۶۰—۱۹ | گریلگے | کریلگے |
| ۱۶۷—۱۱ | سرقیانہ | سوقیانہ |
| ۱۶۸—۹ | مضائف | صحائف |
| ۱۶۸—۱۷ | حسن | حُسین |
| ۱۶۹—۸ | حسن | حُسین |

| صفحه — سطر | غلط | صحیح | صفحه — سطر | غلط | صحیح |
|---|---|---|---|---|---|
| ۱۷۹—۱۷ | بعیت | بیعت | ۲۰۶—۱۹ | لپٹے | لپٹے |
| ۱۸۰—۲۲ | حکیم برحم | حکیم برہم | ۲۰۷—۱۰ | خانوانوں | خاندانوں |
| ۱۹۰—۱۹ | تغریب | تخریب | ۲۰۷—۱۳ | فیچ | نیچ |
| ۱۹۴—۳ | تغزش | لغزش | ۲۰۸—۳ | تیز | تن |
| ۱۹۴—۲ | الهذي | الہذی | ۲۱۰—۱۸ | اضطواری | اضطراری |
| ۱۹۵—۹ | بئے | بنئے | ۲۱۱—۲۲ | نزیر | نذیر |
| ۲۰۲—۱۳ | کے | وہ | ۲۱۲—۱۷ | راشدالغیری | راشدالخیري |
| ۲۰۲—۱۴ | وهي | وهبي | ۲۱۳—۱۸ | تهی | هے |
| ۲۰۳—۲ | هو | هوا | ۲۲۳—۱۸ | دیکھئے | دیکھے |
| ۲۰۴—۱۳ | اسفندیار | اسفندیاري | | | |
| ۲۰۵—۲-۳ | سکتات | سکنات | | | |

# هندستانی اکیڈیمی (صوبۂ متحدہ) الہ آباد
## کی مطبوعات

۱ - از منۂ وسطیٰ میں ہندستان کے معاشرتی اور اقتصادی حالات - از علامہ عبداللہ بن یوسف علی ، ایم - اے ، ایل ایل - ایم سی - بی - اے - مجلد ۱ روپیہ ۴ آنہ -

۲ - ایضاً ایضاً غیر مجلد ۱ روپیہ -

۳ - اُردو سروے رپورٹ - از مولوی سید محمد ضامن علی صاحب ایم - اے - ۱ روپیہ -

۴ - عرب و ہند کے تعلقات - از مولانا سید سلیمان صاحب ندوی ۴روپیہ

۵ - ناتن ( جرمن ڈرامہ ) مترجمۂ مولانا محمد نعیم الرحمان صاحب - ایم - اے ، ایم - آر ، اے - ایس - ۲ روپیہ ۸ آنہ -

۶ - فریب عمل ( ڈراما ) مترجمۂ بابو جگت موہن لال صاحب ، رواں - ۲ روپیہ -

۷ - کبیر صاحب - مرتبۂ پنڈت منوہر لال زتشی - ۲ روپیہ -

۸ - قرون وسطیٰ کا ہندستانی تمدن - از رائے بہادر مہا مہوپادھیا پنڈت گوری شنکر ہیراچند اوجھا ، مترجمۂ منشی پریم چند - قیمت چار روپئے

۹ - ہندی شاعری - از ڈاکٹر اعظم کریوی - قیمت دو روپئے

۱۰ - ترقی زراعت - از خانصاحب مولوی محمد عبدالقیوم صاحب ، ڈپٹی ڈائرکٹر زراعت - قیمت چار روپئے

۱۱ - عالم حیوانی - از بابو برجیش بہادر ، بی - اے ایل ایل - بی - ۶ روپیہ ۸ آنہ -

۱۲ - معاشیات پر لکچر - از ڈاکٹر ذاکر حسین ، ایم اے ، پی ایچ - ڈی - غیر مجلد ۱ روپیہ - مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ -

۱۳ - فلسفۂ نفس - از سید ضامن حسین نقوی - قیمت ایک روپیہ

۱۴ - مہاراجہ رنجیت سنگھ - از پروفیسر سیتا رام کوہلی ، ایم - اے - قیمت چار روپئے

۱۵ - جواہر سخن جلد اول - مرتبہ مولانا کیفی چریا کوٹی -

قیمت مجلد ۵ روپیہ - غیر مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ

---

سول ایجنٹ کتابستان ، الہ آباد